مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین


# ماہنامہ الامداد
لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) مشرف علی تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۱۷ | ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ | ستمبر ۲۰۱۶ء | شمارہ ۹


# الهدى والمغفرة
## علم و عمل کی ضرورت

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی


قیمت فی پرچہ =/ ۲۰ روپے　　زر سالانہ =/ ۲۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) مشرف علی تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ اریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور
۳۵۴۲۲۲۱۳
۳۵۴۳۳۰۴۹

پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

# الھدیٰ و المغفرۃ

## علم وعمل کی ضرورت

| نمبر شمار | عنوانات | صفحہ |
|---|---|---|


| | | |
|---|---|---|
| ۱...... | تمہید | ۹ |
| ۲...... | اسباب مغفرت کو اختیار کرنے کی ضرورت | ۱۰ |
| ۳...... | معاصی کے اصل اسباب | ۱۲ |
| ۴...... | مغفرت کا حاصل | ۱۳ |
| ۵...... | قرآن میں تدبر کی ضرورت | ۱۴ |
| ۶...... | ضرورت فکر اصلاح | ۱۵ |
| ۷...... | معاملات ومعاشرت میں تعلیم اعتدال | ۱۶ |
| ۸...... | عارفین کی نظر موجودہ کمالات پر نہیں ہوتی | ۱۷ |
| ۹...... | پٹھانوں کی سادگی | ۱۸ |
| ۱۰...... | بزرگوں کے احوال | ۱۹ |
| ۱۱...... | بزرگوں کے نقص کی مثال | ۲۱ |
| ۱۲...... | صاحب کمال کی علامت | ۲۲ |
| ۱۳...... | لیڈران قوم کو مسائل نماز بھی معلوم نہیں | ۲۴ |
| ۱۴...... | حضرات اہلحدیث اور حدیث النفس | ۲۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۵..... | کھیت میں نماز کا قصر | ۲۵ |
| ۱۶..... | علم شرعی کا مفہوم | ۲۷ |
| ۱۷..... | دنیائے ملعونہ | ۲۸ |
| ۱۸..... | ایک لیڈر کا تیمّم | ۲۹ |
| ۱۹..... | موٹر میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں | ۳۰ |
| ۲۰..... | عاجزی کا نفع | ۳۱ |
| ۲۱..... | اسباب میں فی نفسہ کوئی تاثیر نہیں | ۳۳ |
| ۲۲..... | حق تعالیٰ شانہ کے سامنے اسباب کی مثال | ۳۴ |
| ۲۳..... | مثنوی کی ظاہری فصاحت وبلاغت | ۳۵ |
| ۲۴..... | مثالوں کے بیان کرنے کا نفع | ۳۵ |
| ۲۵..... | حضرت بایزید کی مغفرت کا سبب | ۳۵ |
| ۲۶..... | مریض کو ہر عضو کا علاج ضروری ہے | ۳۷ |
| ۲۷..... | کلام پاک میں مکرر آیات کے اعتراض کا عجیب جواب | ۳۷ |
| ۲۸..... | دیہاتی اور عاقل فلسفی کے ادراک کا فرق | ۳۸ |
| ۲۹..... | امراض روحانی | ۳۸ |
| ۳۰..... | عطائے حق کی ناشکری | ۴۰ |
| ۳۱..... | ہماری حقیقت ہی کیا ہے | ۴۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۲..... | مقامِ عبرت | ۴۳ |
| ۳۳..... | توحید کا ایک خاص مرتبہ عارفین کے ساتھ مخصوص ہے | ۴۴ |
| ۳۴..... | ضیاء القلوب عجیب متن ہے | ۴٦ |
| ۳۵..... | محبؒ کا حال | ۴٦ |
| ۳٦..... | مسلمانوں میں صفائی معاملات کا فقدان | ۴۷ |
| ۳۷..... | ایک بیوہ کا کلمہ کفر | ۴۷ |
| ۳۸..... | دورحاضر کی نئی تفسیر | ۴۹ |
| ۳۹..... | متعدد ناقص کا مجموعہ کامل نہیں بن سکتا | ۴۹ |
| ۴۰...... | ہر مسلمان کو علم دین کی ضرورت ہے | ۵۱ |
| ۴۱...... | علم کی غایت عمل ہے | ۵۲ |
| ۴۲...... | حکم عموم الفاظ پر ہوتا ہے | ۵۲ |
| ۴۳...... | اردو میں مسائل پڑھنے کا طریقہ | ۵۳ |
| ۴۴...... | بقدر ضرورت علم دین کا حاصل کرنا فرض ہے | ۵۴ |
| ۴۵...... | حفظ قرآن کی فضیلت | ۵۵ |
| ۴٦...... | جنت کی ڈگری بھی حاصل کرو | ۵٦ |
| ۴۷...... | وجود عالم کی محافظ حمایت | ۵۷ |
| ۴۸...... | صرف مؤذن پکی پکائی روٹی کھا سکتا ہے | ۵۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۹...... | جہل وضلالت موجب وعید ہے | ۶۱ |
| ۵۰...... | علماء کے وقت میں خیر و برکت | ۶۳ |
| ۵۱...... | غیر عالم کے وعظ میں مفاسد | ۶۵ |
| ۵۲...... | اختیاری کہنے سے کس صورت میں طلاق واقع ہوتی ہے | ۶۸ |
| ۵۳...... | فقہ کا فن بہت دقیق ہے | ۶۹ |
| ۵۴...... | تلعب بالمذہب حرام ہے | ۷۰ |
| ۵۵...... | نااہل کو وعظ کہنے کی اجازت نہیں دینا چاہیے | ۷۱ |
| ۵۶...... | سخت وعید | ۷۲ |
| ۵۷...... | مہتمم مدرسہ کی رپورٹ | ۷۳ |

## وعظ

# الھدیٰ والمغفرۃ

## علم وعمل کی ضرورت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے مدرسہ محمودیہ بیروٹ ضلع مظفرنگر کے سالانہ جلسہ کے موقع پر ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۴۲ھ بروز اتوار صبح آٹھ بجے وعظ شروع فرمایا جو سوا تین گھنٹے جاری رہا اور ۱۲ بجے ختم ہوا سامعین کی تعداد پانچ سو کے قریب تھی علامہ ظفر احمد عثمانی (صاحب اعلاء السنن) نے یہ وعظ قلم بند فرمایا۔ علم وعمل کی افادیت اور ضرورت کو تفصیل سے بیان فرمایا وراس بات پر زور دیا گیا کہ اگر تفصیلی علم حاصل کرنے کا وقت نہ ہو تو اردو کتابوں سے اجمالی اور فرض عین کے درجہ کا علم ضرور حاصل کیا جائے لیکن یہ کتابیں خود سے پڑھنے کے بجائے اساتذہ سے سبقاً سبقاً پڑھی جائیں سب مسلمانوں کو علم حاصل کر کے عمل کی کوشش کرنی چاہئے یہ وعظ عوام وخواص سب کے لئے انتہائی مفید ہے اللہ تعالیٰ سب قارئین کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔

فقط خلیل احمد تھانوی

۲۱/مئی ۲۰۱۶ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارک وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالۡہُدٰی وَ الۡعَذَابَ بِالۡمَغۡفِرَۃِ ۚ فَمَاۤ اَصۡبَرَہُمۡ عَلَی النَّارِ ﴾(۱)

*''یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر ضلالت اختیار کی اور مغفرت کو چھوڑ کر عذاب۔ سو دوزخ کے لئے کیسے باہمت ہیں''*

## تمہید

یہ ایک آیت ہے سورہ بقرہ کی جس میں حق تعالیٰ جل شانہ وعم نوالہ نے اہل کتاب کے متعلق دو وعیدیں ارشاد فرمائیں کیونکہ اوپر سے اہل کتاب کا ذکر چلا آرہا ہے چنانچہ اس آیت سے پہلے یہ آیت ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ الۡکِتٰبِ وَیَشۡتَرُوۡنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ۙ اُولٰٓئِکَ مَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیۡہِمۡ ۚ وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴾(۲)

(۱) سورۃ البقرۃ: ۱۷۵ (۲) سورۃ البقرۃ: ۱۷۴۔

’’اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب کا اخفا کرتے ہیں(۱) اور اس کے معاوضہ میں متاع قلیل (۲) وصول کرتے ہیں ایسے لوگ اور کچھ نہیں اپنے شکم میں (۳) آگ بھر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نہ تو قیامت میں کلام کریں گے اور نہ ان کی صفائی کریں گے اور ان کو سزائے دردناک ہوگی‘‘۔

اس میں اہل کتاب کی دین فروشی اور کتمان حق کا ذکر ہے(۴) اور اس پر سخت عذاب کی دھمکی ہے اس کے بعد یہ آیت ہے جو میں نے تلاوت کی اس میں ان اعمال سابقہ کا منشا بتلایا گیا ہے کہ اہل کتاب جو دین فروش اور کتمان حق پر دلیر ہیں اس کا منشا(۵) دو باتیں ہیں ایک یہ کہ ان لوگوں نے (دنیا میں) ہدایت چھوڑ کر ضلالت اختیار کی۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے (آخرت کی چیزوں میں سے) اسباب مغفرت کو چھوڑ کر اسباب عذاب کو اختیار کیا اس کے بعد ان دونوں پر سخت وعید ارشاد فرماتے ہیں ﴿فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ﴾(۶) ’’دوزخ کے لئے کس قدر باہمت ہیں‘‘ یہ ایسا ہے جیسا ہمارے محاورہ میں کہا کرتے ہیں کہ شاباش ہے اس کی ہمت کو آگ میں کودنے کے لئے کیسا باہمت ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شاباش ہے ان کی ہمت کو دوزخ میں جانے کے لئے کیسے باہمت ہیں۔

## اسباب مغفرت کو اختیار کرنے کی ضرورت

خلاصہ یہ کہ آیت ترک ہدایت اور اختیار ضلالت (۷) پر اور ترک اسباب مغفرت و اختیار اسباب عذاب پر وعید ہے اور میں نے اسباب کا لفظ ترجمہ میں اس لئے بڑھا دیا کہ عذاب کو بلاواسطہ کوئی اختیار نہیں کرسکتا جس سے بھی پوچھو

(۱) مضامین کتاب کو چھپاتے ہیں (۲) اس کے بدلے تھوڑا سا مال وصول کرتے ہیں (۳) پیٹ (۴) دین بیچنے اور حق کو چھپانے کا ذکر ہے (۵) اس کا سبب (۶) سورۃ البقرۃ:۱۷۵ (۷) ہدایت کو چھوڑنے اور گمراہی کو اختیار کرنے پر۔

ہر شخص عذاب سے نفرت وکراہت اور خوف ہی ظاہر کرے گا اور کوئی یہ نہ کہے گا کہ مجھے عذاب لینا منظور ہے مگر حق تعالیٰ نے اسباب کے لفظ کو اس لیے حذف کر دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اسباب کو اختیار کرنا درحقیقت عذاب کو اختیار کرنا ہے۔ دیکھئے جس شخص کو یہ معلوم ہو کہ بغاوت وقتل کی سزا پھانسی ہے وہ اگر قتل وبغاوت پر اقدام کرے تو عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ کمبخت پھانسی پر لٹکنا چاہتا ہے۔ حالانکہ وہ پھانسی پر لٹکنا ہرگز نہیں چاہتا مگر اس کے اسباب کو جان بوجھ کر اختیار کرنا عقلاء کے نزدیک پھانسی ہی کو اختیار کرنا ہے ایسے ہی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ان لوگوں نے اسباب مغفرت کو چھوڑ کر اسباب عذاب کو اختیار کر لیا تو یوں کہنا چاہیے کہ گویا مغفرت کو چھوڑ کر خود عذاب ہی کو اختیار کیا ہے۔ یہ تو توجیہ ہوئی جانب عذاب میں اسباب کے مقدر کرنے کی کہ عذاب کو بلاواسطہ کوئی اختیار نہیں کر سکتا اور جانب مغفرت میں لفظ اسباب کے مقدر کرنے کی بھی یہی وجہ ہے کہ مغفرت ہر شخص کو مطلوب ہے اس کو بھی بلاواسطہ کوئی ترک نہیں کرتا جس سے بھی پوچھو گے وہ طالب مغفرت ہی ہوگا۔ پس ترک مغفرت کے بھی یہی معنی ہیں کہ اس کے اسباب کو ترک کر دیا۔

اور ایک علت مشترکہ مقدر کرنے کی یہ بھی ہے کہ ترک واختیار کا تعلق ان اشیاء سے ہوا کرتا ہے جو بندہ کی قدرت میں داخل ہوں اور عذاب ومغفرت انسان کی قدرت سے خارج ہیں اس لئے بلاواسطہ ہمارے ترک واختیار کا تعلق ان کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ البتہ دونوں کے اسباب ہمارے قدرت کے تحت میں ہیں۔ ان کے ساتھ ہمارا ترک واختیار متعلق ہوسکتا ہے اور اسباب کے واسطہ سے عذاب ومغفرت کے ساتھ بھی ان کا تعلق ہوتا ہے۔

تو یہ ترجمہ تھا آیت کا جس سے معلوم ہوگیا کہ ترک ہدایت واختیار

ضلالت اور ترک اسباب مغفرت واختیار اسباب عذاب بڑا سنگین جرم ہے(۱) جس کے مرتکب کی بابت حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جہنم میں جانے پر بڑے ہی دلیر ہیں اور اس جرأت کو تعجب کے صیغہ سے بیان فرماتے ہیں کہ شاباش ہے ان کی ہمت کو یہ جہنم میں جانے کے لئے کیسے دلیر اور بے باک ہیں اور غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ یہی افعال منشا ہیں تمام جرائم کا (۲) جن میں سے دین فروشی اور کتمان حق کا ذکر خصوصیت سے اوپر بھی آچکا ہے کہ ان کا منشاء یہی ترک ہدایت واختیار ضلالت وغیرہ ہوا ہے اور اس سے بطور مفہوم کے بھی معلوم ہوا کہ جس طرح ترک ہدایت وترک مغفرت صدور معاصی ودخول جہنم کا سبب ہے اسی طرح اختیار ہدایت وطلب مغفرت صدور طاعات ودخول جنت کا سبب ہے۔

## معاصی (۳) کے اصل اسباب

پس حاصل یہ ہوا کہ جہل اور عذاب سے بے خوفی معاصی (۴) کا سبب ہے اور علم اور رغبت مغفرت طاعات کا سبب ہے(۵) اس طرح یہ آیت ترغیب و ترہیب دونوں کو جامع ہوگئی اس وقت اس کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حاضرین کو معلوم ہے کہ اس وقت ہم ایک دینی مدرسہ کے جلسہ میں مدعو ہیں جس کی غرض یہ ہے کہ حاضرین کے ذہن میں علم کی ضرورت اور اس کی ضد یعنی جہل کی خرابیاں واضح کی جائیں اس لئے میں نے اسی کے مناسب مضمون اختیار کیا۔ چنانچہ میں اس وقت علم وجہل اور عمل و بدعملی سے بھی بحث کروں گا اور مضمون آیت کو اس غرض سے بہت زیادہ مناسبت ہے جو ترجمہ میں ذرا غو کرنے سے معلوم

(۱) ہدایت کو چھوڑنا اور گمراہی کو اختیار کرنا اور مغفرت کے اسباب کو چھوڑ کر عذاب کے اسباب کو اختیار کرنا سخت جرم ہے (۲) انہی اسباب سے تمام جرائم وجود میں آتے ہیں (۳) گناہوں کے اصل اسباب (۴) جہالت اور عذاب سے بے خوف ہونا گناہوں کے ارتکاب کا سبب ہے (۵) علم اور مغفرت کی رغبت نیک اعمال کا سبب ہے۔

ہوسکتی ہے کیونکہ ہدایت کو چھوڑ کر ضلالت اختیار کرنا اس کا حاصل یہی ہے کہ علم کو چھوڑ کر جہل کو اختیار کرنا اور چونکہ علم سے مقصود عمل ہے اگر عمل نہ ہوا تو گویا علم ہی نہ ہوا کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے: الشئی اذا خلا عن فائدۃ لغا ''شئی جب فائدہ سے خالی ہو بیکار ہوتی ہے'' اس طرح ہدی اور ضلالت میں عمل و بدعملی بھی داخل ہے اور آیت کا جزو اول ہی مقصود کے دونوں اجزاء پر دلالت کرنے کے لئے کافی ہوگیا۔ اس کے بعد ﴿وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ﴾ ''اور عذاب کو مغفرت کے عوض'' میں تو عمل اور بدعملی کے تصریح ہوگئی کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ یہاں عذاب سے اسباب عذاب اور مغفرت سے اسباب مغفرت مراد ہیں اور مغفرت وعذاب کا ترتب(۱) اعمال ہی پر ہوتا ہے۔ جن میں علم وجہل بھی داخل ہیں۔ گو افعال جوارح وافعال قلب (۲) دونوں کو عمل کہتے ہیں اور یہاں صرف اختیار کو عمل کہا ہے اور افعال قلب میں بھی صرف اختیار ہوتا ہے تو وہ بھی اعمال میں داخل ہیں۔

## مغفرت کا حاصل

اس طرح علم وجہل بھی اسباب مغفرت واسباب عذاب میں داخل ہوگئے اور اعمال صالحہ واعمال سیئہ (۳) تو ان میں داخل ہیں ہی۔ پس مغفرت کا حاصل علم طاعت ہے(۴) کیونکہ مغفرت کا ترتب طاعات ہی پر ہوتا ہے اور عذاب کا حاصل بدعملی ہے کیونکہ اعمال بد پر عذاب کا ترتب ہوتا ہے۔ غرض آیت کے دونوں اجزاء الگ الگ بھی مقصود کے دونوں اجزاء کو مشتمل ہیں اور مجموعہ بھی۔ کیونکہ میں اوپر بتلا چکا ہوں کہ ہدی میں علم وعمل دونوں داخل ہیں اس لئے کہ علم سے عمل ہی مقصود

(۱) مغفرت اور عذاب اعمال ہی پر مرتب ہوتے ہیں (۲) اعضاء اور دل کے عمل کو (۳) اچھے اور برے اعمال (۴) طاعات کا علم۔

ہوتا ہے پھر اس کے مقابل ضلالت میں بھی جہل و بدعملی دونوں مراد ہوں گے اور یہ بھی میں نے بتلا دیا کہ مغفرت سے بواسطہ تقدیر اسباب کے عمل طاعات مراد ہے اور علم بھی عمل میں داخل ہے تو عذاب میں بھی جہل اور بدعملی دونوں داخل ہوں گے اور یہ بات ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتی ہے اور یہی مقصود وقت تھا اس لئے اس آیت کو اختیار کیا گیا۔

رہا یہ کہ ہدیٰ سے مراد علم کیسے ہوا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہدایت کے معنی ہیں راہ نمودن (۱) اور یہ علم پر موقوف ہے کیونکہ بدون جانے راستہ بتلانا مشکل ہے یہ تو اصلی معنی ہیں اور یہ یہاں چونکہ ہدیٰ کا مقابلہ اضلال سے نہیں بلکہ ضلالت سے ہے اور ضلالت کے معنی گمراہ ہونے کے ہیں اس تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہدیٰ کے معنی راہ جاننے کے ہیں پس ہدیٰ کا حاصل علم اور ضلالت کا حاصل جہل صاف معلوم ہوا۔ صاحب ہدیٰ وہی ہے جو راستہ جانتا ہے اور راستہ پر چلتا ہو اور گمراہ وہی ہے جو راستہ نہ جانتا ہو یا جان کر اس پر چلتا نہ ہو۔

## قرآن میں تدبر کی ضرورت

اب غور کرنا چاہیے کہ ہماری حالت کس میں داخل ہے کیونکہ قرآن مجید ہمارے لئے اصلاح کی ایک کتاب ہے ہمیں اس کے مضامین سے اپنی حالت کی اصلاح کرنی چاہیے یہ تو اجمالاً معلوم ہوگیا کہ قرآن شریف عموماً بھی اور بواسطہ اس آیت کے خصوصاً یہی علم و عمل کی تعلیم دے رہا ہے اور بدعملی و جہل پر وعید بتلا رہا ہے تو اب ہم اپنی حالت میں غور کر کے اس کو اپنے حال پر منطبق کریں کہ میرے اندر یہ امراض ہیں یا نہیں اگر امراض موجود ہیں تو ان کے خطرات پر مطلع ہو کر جلد

(۱) راستہ معلوم ہونا۔

اصلاح کی کوشش کریں ایسے مسلمان تو کم ہیں جن کو مضامین قرآن کی صحت میں شک ہو یہ تو سب کو مسلم ہے کہ قرآن کے مضامین سب صحیح ہیں۔

## ضرورت فکر اصلاح

مگر غفلت اس سے ہے کہ اپنی حالت میں غور نہیں کرتے اور مضامین قرآن کو اپنے اوپر منطبق نہیں کرتے، اہل علم تو بھلا اہل علم ہیں وہ تو اپنے علم پر قناعت کیے ہوئے ہیں ہی، گو ان کو بھی اپنی خاص خاص حالت کے اعتبار سے غور و تامل کی ضرورت ہے مگر عموماً غیر اہلِ علم بھی تو اپنی حالت موجودہ پر قناعت کئے ہوئے ہیں کسی کو اصلاح کی فکر نہیں۔ حیرت ہے کہ اگر کسی مکان میں ذرا سا نقص رہ جائے مثلاً دالان اور سہ دری تیار ہو مگر اسباب رکھنے کے لئے کوٹھری (۱) نہ ہو تو اس کو فکر ہوتی ہے کہ اگلے سال ایک مرہ بنائیں گے اگر زیادہ وسعت بھی نہ ہوئی تو ایک دو کڑیاں تو ضرور بنا ہی دیں گے۔ مگر قصر دین (۲) کی تکمیل کا کسی کو بھی خیال نہیں ہے۔ جس تنگ کوٹھری میں ہم بسے ہوئے ہیں اسی پر قناعت ہے اس سے زیادہ ترقی کی ہوس ہی نہیں۔ پھر افسوس یہ ہے کہ خود اس کی درستی کی بھی فکر نہیں۔ اگر وہ کوٹھری کہیں سے گری ہوئی ہے یا اس کی چھت میں دو تین کڑیاں ٹوٹی ہوئی ہیں تو اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ صاحب اگر زیادہ بھی نہ ہو تو کم از کم بقدر ضرورت تو دین کی عمارت درست کر لینی چاہیے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایک نقص فرائض وواجبات (۳) کا ہے اور ایک نقص سنن و مستحبات کا ہے اگر سنن و مستحبات کی تکمیل نہ ہو سکے تو کم از کم فرائض وواجبات کے نقص کو تو رفع کر لیا جائے۔ گو مسلمان ہونے کا تو مقتضی یہ تھا کہ سنن مستحبات کی بھی تکمیل کی جاتی کیونکہ مسلمان کا اعتقاد

(۱) سامان رکھنے کا اسٹور (۲) دین کے محل (۳) فرائض وواجبات کا نقصان۔

یہ ہے کہ دین دنیا سے مقدم ہے تو جب ہم کو قصر دنیا کا نقص گوارا نہیں تو قصر دین کا نقص کیونکر گوارا ہے لیکن افسوس تو اس کا ہے کہ ہم کو فرائض وواجبات کی تکمیل کا بھی اہتمام نہیں۔ شریعت محمد ﷺ معتدلہ میں ہر حالت کے اعتبار سے حکم موجود ہے۔ ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد (ہر مرتبہ وجود سے ایک حکم رکھتا ہے)

## معاملات ومعاشرت میں تعلیم اعتدال

شریعت نے عقائد وعبادات کے علاوہ معاملات ومعاشرت وغیرہ میں اعتدال کی رعایت کی ہے اور اسی لئے اس امت کا لقب امت عادلہ ہے(۱) لیکن ہمارے تمام کام اعتدال سے گزرے ہوئے ہیں۔ کوئی کام بھی افراط وتفریط سے خالی نہیں اگر ہم اپنی حالت میں غور کریں تو معلوم ہو کہ ہماری عبادات بھی ناقص ہیں اور معاملات بھی اور معاشرت تو بالکل ہی گندی ہے۔ پھر وہ نقص سنن میں بھی ہے اور مستحبات میں بھی، وواجبات میں بھی ہے اور فرائض میں بھی۔ اور اگر کسی کے فرائض وواجبات میں ظاہری نقص نہیں تو باطنی تو ضرور موجود ہے کیونکہ نقصان کی دو قسمیں ہیں، ایک جلی، ایک دقیق، اگر کوئی نقص جلی سے محفوظ ہے تو نقص خفی سے وہ بھی بچا ہوا نہیں غرض ہمارا وہ حال ہے۔

تن ہمہ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم(۲)

سر سے پیر تک ہمارا دین زخمی ہے مگر کسی کو بھی علاج کی فکر نہیں۔ بعض لوگوں کو اس سے دھوکہ ہوگیا ہے کہ وہ کاملین کو بھی اپنے نقص کا اعتراف کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اس سے وہ یوں سمجھ گئے کہ جب ایسے ایسے بزرگ بھی ناقص ہیں تو ہم ہی سے کیا تکمیل ہوگی۔ بس وہ بھی ناقص ہیں اور ہم بھی ناقص، تو سب

(۱) امت متوسطہ (۲) ہمارا جسم داغوں سے بھرا ہوا ہے پھایہ کہاں کہاں رکھیں۔

برابر ہیں، پھر تکمیل کس سے کرائیں۔ صاحبو! اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ ایک شخص کے تو ہاتھ پیر موجود ہوں مگر ان میں درد ہو رہا ہو اور ایک شخص کے ہاتھ پیر ہی نہ ہوں تو یہ دونوں برابر ہو جائیں گے۔ کیا اس کو کوئی عاقل تسلیم کرے گا ہرگز نہیں، دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بس یہی فرق ہے آپ کے نقص اور کاملین کے نقص میں ان کے تو سب اعضاء صحیح سالم ہیں مگر کسی عضو میں درد ہو رہا ہے اس لئے وہ اپنے کو ناقص کہتے ہیں اور آپ کے دین کے تو اعضاء بھی ندارد ہیں تو کیا اس حالت میں آپ کو ان کی احتیاج نہیں، کیا اپاہج آدمی کو اس شخص کی احتیاج نہیں ہوتی جس کے ہاتھ پیر سالم ہیں چلتا پھرتا ہے گو کسی جگہ اس کے درد بھی ہو۔

## عارفین کی نظر موجودہ کمالات پر نہیں ہوتی

مجھے سخت تعجب ہوا ایک شخص کی حالت پر جس نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خط میں دیکھا تھا کہ مولانا قسم کھا کر لکھتے ہیں کہ واللہ میں کچھ نہیں تو اس سے وہ کہنے لگا کہ ہم مولانا کو سچا سمجھتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ میں کچھ نہیں تو ہم بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ کچھ بھی نہیں اور حیرت یہ کہ مولانا کے ایک معتقد بھی شبہ میں پڑے ہوئے تھے کہ حضرت نے یہ جھوٹی قسم کیوں کھائی اس میں کیا تاویل کی جائے۔ میں نے کہا بندہ خدا ترقی تو انبیاء علیہم السلام کو بھی ہوتی رہتی ہے اور وہ بھی ترقی کے محتاج ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ حضور ﷺ کو تعلیم فرماتے ہیں: ( وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ) ''اور کہئے میرے پروردگار زیادہ دیجئے مجھ کو علم'' اسی طرح اولیاء کو بھی ترقی ہوتی رہتی ہے اور وہ انبیاء سے زیادہ ترقی کے محتاج ہیں۔ پس مولانا کی یہ قسم کمالات حقیقۃ انتہائیہ کے اعتبار سے ہے کیونکہ مولانا کی نظر طلب ترقی کی وجہ سے

کمالات مستقبلہ (۱) پر ہے ان پر نظر کر کے مولانا فرماتے ہیں کہ واللہ میں کچھ نہیں اور ہمارا اعتقاد مولانا کے ساتھ کمالات موجودہ کے اعتبار سے ہے ان پر نظر کر کے مولانا سب کچھ ہیں اور عارفین کی نظر کبھی اپنے کمالات موجودہ پر نہیں ہوا کرتی بلکہ ہر دم اس سے آگے پر نظر رہتی ہے۔ اس لئے وہ قسم کھا کر کہہ دیتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں ہیں۔ پس ان کی قسم بھی سچی اور ہمارا اعتقاد بھی سچا (دونوں میں تعارض کچھ نہیں کیونکہ تناقص کے لئے وحدت موضوع بھی شرط ہے اور یہاں موضوع مختلف ہے ۱۲)

بلکہ اگر ان کو تمام کمالات ممکنۃ الحصول حالیہ واستقبالیہ (۲) بھی حاصل ہو جائیں جس سے ترقی بھی ممکن نہ ہو تب بھی چونکہ ان کی نظر کمالات حق پر ہوتی ہے ان کے اعتبار سے پھر بھی وہ قسم کھا کر یہی کہتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں۔

اس تقریر سے ان کا شبہ جاتا رہا اور بہت خوش ہوئے۔ معتقد کا شبہ تو ذرا سے اشارے میں رفع ہو جاتا ہے مگر افسوس اس مخالف کی بدحالی پر ہے جو سمجھانے سے بھی نہ سمجھا اور یہی کہتا رہا کہ آپ کی معتقدانہ تاویلات ہیں ہم تو مولانا کو سچا سمجھتے ہیں۔

## پٹھانوں کی سادگی

اگر یہ بات اس نے بھولے پن سے کہی ہوتی تو زیادہ افسوس نہ ہوتا جیسے ریاست رام پور میں جو پٹھانوں کی بستی ہے ایک بزرگ تشریف لے گئے، لوگوں میں ان کی بزرگی کی شہرت ہوئی تو ایک خان صاحب ملنے آئے اور کہنے لگے کہ میں نے حضور کی بہت تعریف سنی تھی اس لیے زیارت کا اشتیاق ہوا۔ بزرگ نے فرمایا

(۱) مستقبل میں حاصل ہونے والے کمالات پر ہے (۲) بلکہ وہ تمام کمالات جو موجودہ زمانے میں حاصل ہوں اور آئندہ حاصل ہونے والے ہوں وہ بھی حاصل ہو جائیں۔

کہ یہ لوگوں کا حسن ظن ہے میں تو کچھ بھی نہیں ایک نالائق بندہ ہوں تو وہ خان صاحب کہنے لگے کہ جب آپ نالائق ہیں تو میں جاتا ہوں میں خواہ مخواہ زیارت کو آیا، نالائقوں کی زیارت سے کیا فائدہ؟ یہ کہہ کر چلتے ہوئے۔

راستہ میں ایک دوست ملے ان سے پوچھا کہاں جاتے ہو، کہا فلاں بزرگ صاحب تشریف لائے ہیں ان کی زیارت کو جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا وہ تو نالائق آدمی ہیں ان سے مل کر کیا لوگے؟ دوست نے کہا توبہ کرو توبہ! وہ تو بڑے بزرگ ہیں، کہا میاں وہ تو اپنی زبان سے خود اپنے کو نالائق کہتے ہیں، دوست نے کہا کہ بزرگ اپنے کو یوں ہی کہا کرتے ہیں، کہا اچھا یہ بات ہے تو چلو ہم بھی چلیں گے۔ وہ خان صاحب پھر آئے اور کہا کہ حضور مجھ سے غلطی ہوئی میرا خطا معاف کیجئے، مجھے معلوم نہ تھا کہ بزرگ جھوٹ بھی بولا کرتے ہیں۔ خواہ مخواہ اپنے کو نالائق کہہ دیتے ہیں اور واقع میں نالائق نہیں ہوتے۔ میں نے تو یہ سنا تھا کہ بزرگ سچ بولا کرتے ہیں تو جب آپ نے یہ کہا کہ میں تو نالائق بندہ ہوں میں نے اس کو بھی سچ سمجھا اس لئے اٹھ کر چلا گیا۔ اس پر دوسرے صاحب نے بزرگ سے کہا کہ حضرت یہ بھولے سیدھے پٹھانوں کی بستی ہے۔ یہاں ایسی باتیں نہ کہئے یہ تواضع اور فنا کو کچھ نہیں جانتے تو اس پٹھان نے تو بھولے پن سے یہ بات کہی تھی اس لئے اس پر افسوس نہیں مگر اس مخالف نے تو جان بوجھ کر حقیقت سمجھ کر محض عناد سے وہ بات کہی تھی اس کی حالت زیادہ افسوسناک ہے۔

## بزرگوں کے احوال

غرض بزرگوں کے ایسے کلمات سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے اگر وہ اپنے کو ناقص کہیں تو تم ان کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ مولانا فرماتے ہیں:

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد کم کسے زابدال حق آگاہ شد
گفت اینک مابشر ایشاں بشر ماوایشاں بستۂ خوابیم وخور(۱)
ایں ندانستند ایشاں از عمی درمیاں فرقے بود بے منتہا(۲)
کارپاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیروشیر(۳)

اورفرماتے ہیں:

گر خطا گوید دراں خاطی مگو در شود پرخوں شہید آں را مشو
خوں شہیداں را زآب اولیٰ ترست ایں خطا از صد صواب اولیٰ ترست (۴)

ان سے اگر واقع میں بھی خطا ہوتب بھی وہ ہمارے ثواب سے بہتر ہے کیونکہ ان میں ایسی استعداد موجود ہے جس سے ان کی خطا بھی نورانی ہوتی ہے اور ہمارے اندر ایسی ظلمت ہے جس سے ہمارا ثواب بھی ظلمانی ہوتا ہے اس کی استعداد کی یہ حالت ہے﴿ یَكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ﴾(۵) ان کے زیت میں اگر آگ لگے گی تو نور علی نور ہوگا جس کی شان ہوگی۔﴿وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ﴾(۶) اور ہمارا زیت ایسا چکنا ہوتا

(۱)''تمام جہاں اس سبب سے گمراہ ہوا کہ کوئی شخص ابدال حق سے آگاہ نہیں ہوا اور کہا ہم بھی بشر ہیں یہ بھی بشر ہیں ہم اور یہ خواب وخور دونوش میں مقید ہیں'' (۲)''انہوں نے اندھاپن سے یہ جانا کہ ہمارے اور ان کے درمیان بے انتہا فرق ہے، ان کا نقصان ہمارے کمال سے بھی افضل ہے'' (۳)''بزرگوں کے افعال اپنے اوپر قیاس مت کرو اگرچہ دونوں کے فعل یکساں ہیں جس طرح لکھنے میں شیر اور شیر یکساں ہیں'' (۴)''غلطی کو تو برا کہو لیکن غلطی کرنے والے کو برا مت کہو، شہید کا خون اس کے جسم سے مت دھو کیونکہ وہ سو پانیوں سے بہتر ہے اس قسم کی غلطی سو بہترائیوں سے بہتر ہے'' (۵)''اس کا تیل اگر اس کو آگ بھی نہ چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا نور علی نور ہے'' سورہ نور:۳۵ (۶)''اور ہم نے اس کو ایسا نور دیا کہ وہ اس کو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے'' سورہ الانعام:۱۲۲۔

ہے کہ جس میں اول تو آگ لگنے کی امید ہی نہیں اور اگر لگے گی بھی تو محض ایک ضعیف نور ہوگا جو ظلمت کے ساتھ آمیختہ ہوگا۔ پس بزرگوں کو اپنے نقص کا اعتراف کرتے ہوئے دیکھ کر ناقص سمجھنا اور اپنے برابر خیال کرنا سخت غلطی ہے۔

## بزرگوں کے نقص کی مثال

صاحبو! وزارت بھی بادشاہت کے اعتبار سے کم درجہ پر ہے مگر کانسٹیبلی سے تو افضل ہے۔

مولانا اسی کو فرماتے ہیں:

آسماں نسبت بہ عرش آمد فرود لیک بس عالی ست پیش خاک تود(۱)

بزرگوں کا نقص ایسا ہے جیسے آسمان عرش کے سامنے کم ہے مگر یقیناً آسمان زمین وغیرہ سے تو بڑا ہی ہے۔ ہمارے کمالات کمالات ارضیہ ہیں(۲) اور ان کے کمالات سماویہ(۳) ہیں جو کمالات الٰہیہ عالیہ متعالیہ سے ضرور کم ہیں مگر ہمارے کمالات سے بدرجہا افضل واکمل ہیں اس لئے ہم کو ان سے استغناء نہیں(۴) ہوسکتا کیونکہ جس کو زمین سے عرش پر جانا مقصود ہو اسے آسمان کو ضرور طے کرنا پڑے گا۔ صاحب اہل اللہ اپنے کو ناقص کیوں نہ کہیں وہ تو خدا کے راستہ کو طے کر رہے ہیں جس کی حالت یہ ہے۔

اے برادر بے نہایت در گہیست ہرچہ بروئے مے رسی بروئے مالیت(۵)

ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ علوم دنیا میں جو لوگ صاحب کمال ہیں وہ بھی اپنے کو ناقص ہی کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ ایک محدود کمال ہے جو ممکن الحصول ہے مگر اس کا

(۱)"آسمان عرش کی نسبت اگرچہ چھوٹا ہے لیکن تیرے مقابلے میں تو بہت بلند و برتر ہے" (۲) زمین (۳) آسمانی (۴) ہم ان سے مستغنی نہیں ہوسکتے (۵)"بھائی یہ بے نہایت دربار ہے جس مقام پر پہنچو اس مقام پر نہ ٹھہرو باطنی حالت میں ترقی کرو"۔

بھی حقیقی درجہ بہت عالی ہے۔ اس پر نظر کر کے ہر کامل اپنے کو ناقص ہی کہتا ہے۔ دیکھئے حکیم عبدالمجید خان اور حکیم محمود خان اپنے فن میں کیسے کامل تھے کہ واقعی ان کو طب کا امام کہنا چاہیے مگر کوئی ان سے پوچھتا تو وہ یہی کہتے تھے ہم کو کیا کمال حاصل ہے کچھ بھی نہیں۔ تو کیا ان کے اس کہنے سے آپ یہ سمجھ لیں گے کہ وہ بھی ایسے ہی ناقص ہیں جیسے ہم ناقص ہیں اور دونوں برابر ہو گئے اور کیا یہ سمجھ کر آپ ان سے علاج کرانا چھوڑ دیں گے ہرگز نہیں بلکہ آپ ان کی اس بات کا یہی مطلب سمجھیں گے یہ اپنے کو طب کے حقیقی کمال پر نظر کر کے جو ان کے نزدیک جامس و بقراط وغیرہ کو حاصل تھا (گو یہ لوگ بھی اپنے کو حقیقی کمال سے قاصر ہی سمجھے تھے) ناقص کہہ رہے ہیں مگر اس زمانہ میں تو یہ اس فن کے امام اور سب سے زیادہ ہی کامل ہیں۔ افسوس دنیا کے کاموں میں تو لوگوں کو بہت جلدی عقل آجاتی ہے اور کاملین دنیا اپنے کو ناقص کہیں تو اس سے کسی کو دھوکہ نہیں ہوتا نہ ان سے کوئی اپنے کو مستغنی سمجھتا ہے مگر دین کے باب میں نہ معلوم لوگوں کی عقل کہاں جاتی رہتی ہے اور یہاں ان کو یہ دھوکہ کیوں پیش آتا ہے۔

## صاحب کمال کی علامت

یاد رکھو جو صاحب کمال ہوگا وہ کبھی اپنے کو صاحب کمال نہ کہے گا ہمیشہ اپنے کو ناقص ہی کہے گا کیونکہ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں وہ اس اپنے علم کی وسعت ولا متناہی اور گہرائی سے آگاہ ہے اس پر نظر کر کے وہ اپنے کمال کو بھی کمال نہیں کہہ سکتا اور جن کو آپ مدعی کمال دیکھتے ہیں ان کو کمال کی ہوا بھی نہیں لگی، دعویٰ کمال اکثر ناقصین ہی کیا کرتے ہیں اہل اللہ کبھی دعویٰ نہیں کر سکتے نہ اپنے کو

صاحب کمال کہہ سکتے ہیں یہ اور بات ہے کہ کبھی تحدث بالنعمۃ (۱) کے طور پر خدا کی نعمتوں کا بیان کردیں مگر اس وقت بھی ان میں دعویٰ کی شان ہرگز نہیں ہوتی بلکہ عبدیت اور عجز وفنا کی شان غالب ہوتی ہے چونکہ بعض لوگوں کو کاملین کے اعتراف نقص سے دھوکہ ہوجاتا ہے اس لئے میں نے تفصیل کے ساتھ اس شبہ کو دفع کردیا کیونکہ اس چودھویں صدی کے بہت لوگ ذہین ہونے لگے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ جیسے چودھویں رات کا چاند کامل ہوتا ہے ایسے ہی چودھویں صدی کے لوگ بھی کامل ہیں۔ واقعی کامل تو ہیں مگر اس میں کلام ہے کہ کامل کا ہے میں ہیں دنیا کی ذہانت میں تو واقعی کامل ہیں مگر دین کی ذہانت میں کامل نہیں ہیں۔ آج کل کے آدمیوں کی عقل دنیا کے کاموں میں خوب چلتی ہے مگر دین میں کچھ نہیں چلتی۔ (بس یوں کہنا چاہیے کہ آج کل مادیت کی ترقی اور روحانیت کا تنزل ہے) یہی وجہ ہے کہ اس وقت عام طور پر دین سے غفلت ہے اور تکمیل دین کا کسی کو اہتمام نہیں اسی لیے مسائل دین پر بھی توجہ نہیں کیونکہ مسائل دین کی ضرورت تو اس کو ہو جسے اپنا دین کامل کرنا ہو جیسے مسائل طب کی ضرورت اس کو ہے جسے تکمیل صحت مطلوب ہو مگر آج کل صحت جسم تو لوگوں کو مطلوب ہے صحت قلب مقصود نہیں تو پھر ان کو مسائل دین پر توجہ کیوں ہو۔ دیہاتیوں کو کیا کہا جائے وہ تو اپنے ہل پاتھوں میں ایسے مشغول ہیں کہ مسائل دین کے جاننے کی بھی ان کو فرصت نہیں عمل تو کیا ہی کرتے مگر جو لوگ تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں جو تقریریں کرتے اور لیکچر دیتے پھرتے ہیں جن کو کتب بینی اور سیاست دانی بلکہ ہمہ دانی کا بھی دعویٰ ہے مسائل دین سے وہ بھی بالکل ناواقف ہیں۔

(۱) کبھی انعام کے تذکرہ کے طور پر۔

## لیڈران قوم کو مسائل نماز بھی معلوم نہیں

چنانچہ ایک جنٹلمین میرے ساتھ تھے وہ تھانہ بھون میں جوان کا اصلی وطن تھا فرض رباعی(۱) کی جماعت میں دو رکعت کے بعد بیٹھ گئے۔ امام نے تو تیسری رکعت کا قیام کیا اور انہوں نے نماز ختم کردی، لوگوں نے بعد میں اس حرکت کی وجہ پوچھی تو کہا میں مسافر ہوں اس لیے میں نے قصر کیا ہے۔ سبحان اللہ اول تو وطن اصلی میں پہنچ کر سفر کیا پھر وہ بھی امام مقیم کے پیچھے۔ اسی طرح ایک صاحب ہمیشہ حضر میں قصر کیا کرتے تھے اور یہ وجہ بتلاتے کہ حدیث میں ہے۔

## حضرات اہلحدیث اور حدیث النفس

”کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل“(۲)

اگر ہم اس کے موافق عمل کرتے ہیں تو ہم ہر وقت مسافر ہی رہتے ہیں گو وطن کے اندر ہی کیوں نہ ہوں ایسے لوگ اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں اور ان کو استدلالات سوجھا کرتے ہیں۔ مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی ایسوں کے نسبت فرماتے تھے کہ یہ لوگ اہل حدیث تو ہیں مگر حدیث سے مراد حدیث رسول اللہ ﷺ نہیں بلکہ حدیث النفس ہے یہ لوگ حدیث النفس کا اتباع کرتے ہیں واقعی اکثر تو ایسے ہی ہیں۔ میں سب کو نہیں کہتا بھلا ان حضرات سے کوئی یہ پوچھے کہ تم نے اس حدیث پر عمل کرکے نماز میں تو قصر کیا۔ دنیا کے کاموں میں بھی تو قصر کیا ہوتا، مسافر کے ساتھ سفر میں نہ پلنگ ہوتا ہے نہ تخت نہ میز ہے نہ کرسی نہ کپڑوں کے دس بیس جوڑے ہوتے ہیں نہ زمین جائیداد ساتھ ہوتی ہے نہ مکان

(۱) امام کے ساتھ چار رکعت فرض نماز پڑھتے ہوئے دو رکعت پر بیٹھ کر سلام پھیر دیا (۲) ”دنیا میں مسافر یا رہگذر کی طرح رہ“۔

ذاتی ہوتا ہے تو تم نے ان چیزوں میں بھی تو قصر کیا ہوتا مگر ان میں کوئی اختصار نہیں کیا جاتا پس تمہارا یہ دعویٰ غلط ہے کہ ہم حدیث ''کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل ''(۱) پر عمل کرتے ہیں (اور اگر کوئی دنیا کے کاموں میں بھی اختصار کردے تب بھی اسے اس حدیث سے قصر صلوٰۃ فی الحضر (حضر میں قصر) پر استدلال کرنے کی گنجائش نہیں کیونکہ کن فی الدنیا (دنیا میں رہ) کی قید صراحۃً موجود ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ دنیا کے ماموں میں مسافر کی طرح رہنے کا امر فرمارہے ہیں نہ کہ دین کے کاموں میں، دوسرے آپ نے یہ تو نہیں فرمایا ''کن فی الدنیا مسافرا '' ''دنیا میں مسافر رہ'' بلکہ کانك مسافر (گویا تو مسافر ہے) فرمایا اور (قصر کی اجازت مسافر حقیقی کو ہے نہ کہ مماثل مسافر کو خوب سمجھ لو)۔

## کھیت میں نماز کا قصر

ایک صاحب کی حکایت سنی ہے کہ جب وہ اپنے گھر سے جنگل میں جاتے، کھیت پر جاتے تو قصر کیا کرتے اور کہتے کہ قرآن میں ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾(۲) مطلق آیا ہے اس میں مطلقاً زمین میں چلنے پر قصر کی اجازت دی گئی ہے تین دن یا چار دن کی مسافت کا کچھ ذکر نہیں۔ یہ بھی کوئی اہل حدیث ہی میں سے تھے۔ مولانا سخاوت علی صاحب جونپوری نے فرمایا تھا کہ پھر جنگل اور کھیت ہی میں جا کر قصر کیوں کرتے ہو بلکہ گھر سے محلّہ کی مسجد میں آکر قصر کیا کرو کیونکہ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ ''اور جب تم

(۱) ''دنیا میں مسافر یا رہگذر کی طرح رہو'' (الصحیح للبخاری: ۸/۱۱۰) (۲) ''اور جب تم زمین میں سفر کرو سو تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا کہ تم نماز کو کم کردو'' سورۃ النساء: ۱۰۱۔

زمین میں سفر کرو" تو اس پر صادق ہے۔ یہ فہم اور دین رہ گیا ہے۔ کچھ نہیں بس یہ لوگ ضربتم (تم کو پیٹا جائے) بصیغہ مجہول کے مستحق ہیں۔ پھر غضب یہ ہے کہ اس فہم پر یہ لوگ اپنے کو تعلیم یافتہ سمجھتے ہیں۔ پس جس نے ایک دو کتابیں ادب تاریخ کی دیکھ لیں وہ بھی اپنے کو عالم سمجھتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ جنٹلمینوں نے انگریزی پڑھنے کو بھی علم میں شمار کرلیا ہے اور جتنے فضائل احادیث میں علم کے وارد ہیں انگریزی تعلیم پر بھی ان کو جاری کرتے ہیں اور اس کے متعلق یہ حضرات ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں "اطلبوا العلم ولو بالصين "(۱)(علم کو طلب کرو اگرچہ چین میں ہو) وہ کہتے ہیں کہ دیکھئے حضور ﷺ نے چین سے بھی طلب علم کی ترغیب دی یہ حالانکہ اس وقت چین میں دین کا علم بالکل نہ تھا بلکہ محض دنیوی علم تھا معلوم ہوا کہ حضور ﷺ مطلق علم کی ترغیب دے رہے ہیں خواہ دنیا کا علم ہو یا دین کا پس انگریزی بھی علم ہے اور اس ہدیث کے تحت میں داخل ہے ان لوگوں کو اول تو اس حدیث کا ثبوت دینا چاہیے۔ ان الفاظ سے یہ حدیث محدثین کے نزدیک ثابت ہی نہیں۔

(قلت ذكر له فى المقاصد طريقين وقال ابن حبان انه باطل لا اصل له واخرجه ابن الجوزى فى الموضاعات اه ص ۳۰ قال واخرجه البيهقى فى الشعب قلت وقد التزم ان لا يخرج موضوعا فالا شبه الحكم عليه بالضعف والضعيف لايحتج به فى الاحكام ۱۲ جامع)

مقاصد میں دو طریق سے اس کو بیان کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث دو وجہ سے ضعیف ہے ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ باطل بے اصل ہے۔ ابن جوزی نے کہا

(۱) کنز العمال: ۲۸۶۹۷، اتحاف السادۃ: ۹۸۱۔

کہ یہ ضعیف ہے احکام کی حجت میں اس کو پیش نہیں کیا جاسکتا۔

اور اگر ثابت بھی ہوتب بھی ان لوگوں کا مدعا حاصل نہیں ہوتا کیونکہ انہوں نے لفظ ولو پر نظر نہیں کی۔ یہ لفظ فرض کے لئے آتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض چین میں بھی علم ہوتو وہاں سے بھی کوشش کر کے حاصل کرنا چاہیے اور فرض اسی چیز کو کیا جاتا ہے جو معدوم یا مستبعد ہو موجود کو فرض نہیں کیا جاتا اور دنیوی علم کا چین میں اس وقت موجود ہونا آپ کو مسلم ہے تو اس کو لفظ ولو سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی مراد اس حدیث میں وہی علم ہے جو چین میں اس وقت موجود نہ تھا اس لئے بطور فرض کے فرمارہے ہیں کہ اگر وہاں بھی ہوتو حاصل کرو اور وہ علم دین ہی ہے ورنہ اگر علم کو ایسا عام کیا گیا کہ دنیوی علم بھی اس میں داخل ہوجائیں تو پھر ایک بھنگی اور چمار کو بھی عالم کہنا چاہیے کیونکہ اس کو بھی دنیا کا ایک علم حاصل ہے جو کام وہ کرتا ہے اس کو وہ خوب جانتا ہے اگر آپ ان کاموں کو بھی علم میں داخل کرلیں گے تو پھر آپ کی خاطر سے ہم انگریزی کو بھی اس میں داخل کرلیں گے اور خیر جانے دیجیے ہم لفظ ولو سے بھی استدلال نہیں کرتے مگر ہم کہتے ہیں (اطلبوا العلم ولو بالصین )(۱) ’’علم کو طلب کرو اگر چہ چین میں ہو‘‘ میں تو تصریح نہیں کہ اس سے کونسا علم مراد ہے اب شریعت کی دوسری نصوص سے اس کو دریافت کیا جاوے۔

## علم شرعی کا مفہوم

بس علم شرعی وہ ہے جس کو شریعت علم کہتی ہے جس کے جاننے والوں میں ایک شیخ سعدی بھی ہیں وہ فرماتے ہیں:

(۱) کنز العمال: ۲۸۶۹۷، اتحاف السادۃ: ۱/ ۹۸۔

علمے کہ راہ بحق نہ نماید جہالت است

''جو علم حق کا راستہ نہ دکھائے وہ جہل ہے''

## دنیائے ملعونہ

اور حدیث میں ہے: (الدنیا ملعونة ومافیھا ملعون الا ذکر اللّٰہ وما والاہ الحدیث) ''دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے ملعون بجز ذکر اللہ کے اور وہ چیز جو ذکر کو قریب کرے'' معلوم ہوا کہ جو چیز خدا کی طرف قریب نہ کرے وہ دنیائے ملعونہ ہے۔ اس میں ایسے علوم بھی داخل ہیں، اب میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ کیا سائنس اور جغرافیہ اور انگریزی زبان سے خدا کی طرف قرب ہوتا ہے؟ وصل ہوتا ہے یا فصل، قرب ہوتا ہے یا بعد (۱)۔ مشاہدہ ہے کہ ان سے بعد ہی بڑھتا ہے گو چاہیے تو یہ تھا کہ سائنس سے اور خدا کی طرف قرب بڑھتا کیونکہ اس سے قدرت صانع (۲) کا انکشاف زیادہ ہوتا ہے اور اپنا عجز زیادہ مشاہد ہوتا ہے کیونکہ اہل سائنس رات دن ترقی کی فکر میں رہتے ہیں اس لئے ان کے مقاصد بہت وسیع ہیں جن میں کثرت سے ایسے مقاصد بھی ہیں جو عرصہ تک پورے نہیں ہوتے، زمانہ دراز تک ان میں ناکامی رہتی ہے۔ بخلاف ہمارے مقاصد کے کہ وہ معدودے چند ہیں جو اکثر پورے ہوجاتے ہیں مگر ہم پھر بھی اپنے عجز کے معترف ہیں اور ان لوگوں کے زیادہ مقاصد ناکام رہتے ہیں جو کھلی دلیل ہے عجز کی مگر یہ لوگ باوجود مشاہدہ عجز زائد کے پھر بھی اپنے کو قادر کہتے ہیں وجہ یہ کہ یہ لوگ اپنے عجز پر نظر نہیں کرتے بس عرصہ کے بعد جو کسی مقصود میں کامیابی ہوگی اس پر نازاں ہوتے ہیں کہ ہم نے یہ ایجاد کرلی، ڈلے پتھر ایجاد کرلی (۳)۔ اگر ایجاد تمہارے اختیار میں تھی تو پہلے

---

(۱) اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے یا اس سے دوری ہوتی ہے (۲) قدرت الٰہی خوب واضح ہوتی ہے (۳) یہ محاورہ ہے مطلب یہ ہے کہ ان کی ایجاد کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ انہوں نے ایجاد نہیں کی بلکہ ترکیب کی ہے۔

ہی دن کیوں نہ ایجاد کرلی۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ سوچو اور غور کرو، باقی ذہن میں ایجاد کا صحیح طریق آجانا یہ تمہارے اختیار سے بالکل خارج ہے۔ یہ محض حق تعالیٰ کے قبضے میں ہے مگر عادت الٰہیہ یہ ہے کہ جب کسی بات کے لئے انسان غور وفکر کرتا ہے تو وہ اکثر راستے کھول دیتے ہیں اور بعض دفعہ اپنی قدرت ظاہر کرنے کے لئے ہزار غور وفکر کے بعد بھی حقیقت ظاہر نہیں کرتے۔ چنانچہ اب تک کسی کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ مقناطیس لوہے کو کیوں جذب کرتا ہے اور ایسی نظائر بکثرت موجود ہیں اگر غور وفکر کے بعد حقیقت تک پہنچ جانا تمہارے اختیار میں ہے تو ان چیزوں کی حقیقت کا انکشاف کیوں نہ کرلیا، غرض تجربے سے یہ بات مشاہد ہے کہ کچھ عوارض کہ بمنزلہ لوازم کے ہیں ایسے جمع ہو رہے ہیں کہ سائنس اور جغرافیہ سے قرب خداوندی نہیں بڑھتا بلکہ بعد ہی میں اضافہ ہوتا ہے تو یہ علم شرعی میں داخل نہیں ہوسکتے اور نہ ان کے جاننے سے دین کا علم حاصل ہوسکتا ہے۔

## ایک لیڈر کا تیمّم

ہاں ایسے لوگوں کو ایسا علم دین ضرور حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسے ایک لیڈر کا قصہ ہے جو آج کل مسلمانوں کے مقتدا بنے ہوئے ہیں کہ کسی جگہ نماز کا وقت آگیا اور پانی نہ تھا۔ تیمّم کی ضرورت ہوئی تو لیڈر صاحب نے اس طرح تیمّم کیا کہ اول تو مٹی کو ہاتھوں پر بہایا جیسے پانی کو بہایا کرتے ہیں پھر کلی کرنے کے واسطے منہ میں مٹی دی، شاید اس کے بعد وہ دو ہتڑ (۱) بھر کر منہ پر بھی ڈالتے اور مسح کے لئے سر پر بھی ڈالتے اور پیروں پر بھی مٹی بہاتے مگر منہ میں مٹی دیتے ہوئے بعض لوگ ہنس پڑے اس لئے وہ آگے نہ بڑھ سکے۔ بس انگریزی پڑھ کر ایسا علم آتا ہے کہ عقل خاک میں مل جاتی ہے بھلا اگر وہ کسی سے پوچھ ہی لیتے کہ تیمّم کا طریقہ کیا

(۱) دونوں ہاتھوں میں مٹی لیکر منہ پر بھی ملے۔

ہے تو اس میں کیا حرج تھا(۱) مگر پوچھتے کس طرح لیڈر ہوکر اپنے جہل کو کیوں کر ظاہر کریں، گومٹی سے کلی کر کے اس سے زیادہ جہل ظاہر کر دیا اور مزا یہ کہ ظہور جہل کے بعد بھی وہ قوم کے لیڈر ہی رہے۔ یہ حالت قوم کی ہے کہ اس جہل پر بھی ان کو مقتدا ہی بنائے رکھا۔

## موٹر میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں

ان ہی حضرات کا یہ واقعہ بھی ہے کہ ایک دفعہ موٹر میں سوار تھے نماز کا وقت آ گیا، موٹر ٹھہرایا گیا اور اسی میں بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ لی حالانکہ سامنے سڑک پر ایک طرف کھڑے ہوکر نماز پڑھ سکتے تھے مگر انہوں نے موٹر کے اندر ہی بیٹھ کر پڑھی۔ بھلا موٹر میں ترک قیام کس طرح جائز ہوگیا جبکہ موٹر کھڑا ہوا تھا۔ چلتی ریل میں تو اگر گرنے کا اندیشہ ہو تو بیٹھ کر نماز کی گنجائش بھی ہے مگر موٹر میں تو چلتے ہوئے بھی ترک قیام کی گنجائش نہیں کیونکہ اس کا ٹھہرالینا ہر وقت ہمارے اختیار میں ہے اور ریل کا ٹھہرانا ہمارے اختیار میں نہیں اگر موٹر کھڑا ہوا ہو تب تو کسی طرح ترک قیام کی گنجائش ہی نہیں مگر ان لوگوں نے تو محض لیڈر بننے کے لئے نماز شروع کی ہے اس لئے نماز بھی لیڈری ہوتی ہے۔ شرعی نماز کی ان کو کیا ضرورت ہے۔

## عاجزی کا نفع

گو ایسی غلطیاں دیہاتیوں سے بھی ہوتی ہے اور ان کو بھی مسائل کا علم نہیں مگر وہ اپنے کو تعلیم یافتہ تو نہیں کہتے نہ علم کا دعویٰ کرتے ہیں بلکہ بیچارے

(۱) آج کل بہت سے لوگوں کو تیمّم کا طریقہ معلوم نہیں اس لئے لکھا جاتا ہے کہ ایک دفعہ مٹی کی جنس پر ہاتھ مار کر منہ پر پھیرے اور دوسری دفعہ ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں پر کہنیوں سمیت پھیر لے البتہ تیمّم میں پانی حاصل کرنے کی نیت شرط ہے۔ یہی تیمّم غسل کے لئے بھی ہے۔

اپنے جہل کا اقرار کرتے ہیں تو گو ان سے بھی علم دین سے غفلت کرنے پر کچھ مواخذہ ہو مگر شاید ان کے عجز و نیاز کی وجہ سے ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ ہو جائے چاہے تھوڑی سی سزا کے بعد ہی سہی۔ حق تعالیٰ کو عاجز پر بہت رحم آتا ہے اس لیے بعض دفعہ گنہگاروں کو ان کی عاجزی پر بخش دیا جاتا ہے اور دعوے کے ساتھ سارا علم اور تصوف اور تقویٰ بھی دھرا رہ جاتا ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے جن کا نام گلاب خان تھا نیک اور صاحب علم تھے مجھ سے ایک طویل خواب دیکھنا بیان کیا، جزو مقصود اس کا بیان کرتا ہوں یہ دیکھا کہ میدان قیامت قائم ہے اور حق تعالیٰ ایک ایک کا حساب لے رہے ہیں اور یہ حساب مختلف کتابوں کے امتحان کے رنگ میں ہے اور عرش پر حق تعالیٰ کی تجلی ہے اور عرش کے ایک گوشہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہیں۔ میں بہت ڈر رہا ہوں کہ میرا بھی حساب ہوگا، اتنے میں کسی شخص کا امتحان ہوا اور اس پر بہت خفگی ہوئی اور ایسی غضب ناک آواز میں خفگی محسوس ہوئی کہ رعد(۱) کی کوئی حقیقت نہیں، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ کچھ مدد فرمایئے ارشاد ہوا خفگی کے وقت میں کیا کروں جب میں نے دوبارہ عرض کیا تو ارشاد فرمایا تم یوں کہہ دینا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں چنانچہ مجھ کو پکارا گیا کہ جلالین میں (غالباً) امتحان دو میں نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں، اس پر تبسم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اچھا ایک دن کی قید (جو اوروں کی سزا سے بہت خفیف تھی) اور اس سزا کے بعد بھی بہت جلد نجات بھی دیکھی۔ یہ تو عاجز کے ساتھ معاملہ تھا۔

## اسباب میں فی نفسہ کوئی تاثیر نہیں

اب دعویٰ کا حال سنئے حضرت بایزید بسطامی کا قصہ ہے کہ ان کو کسی نے

(۱) کڑک گرج۔

بعد وفات کے خواب میں دیکھا، پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ فرمایا مجھ سے سوال ہوا تھا کہ ہمارے واسطے کیا لائے، میں نے سوچا کہ اور اعمال تو میرے ناقص ہیں ان کا تو کیا نام لوں، البتہ میں مسلمان ہوں اور بحمد اللہ توحید میری کامل ہے اس کو پیش کردوں۔ چنانچہ میں نے عرض کیا کہ توحید لایا ہوں ارشاد ہوا (ما تذکر لیلۃ اللبن) ''وہ دودھ والی رات بھی یاد نہیں رہی'' یہ ایک واقعہ کی طرف اشارہ تھا کہ ایک رات حضرت بایزید نے دودھ پیا تھا اس کے بعد پیٹ میں درد ہوگیا تو آپ کے منہ سے نکل گیا کہ دودھ پینے سے پیٹ میں درد ہوگیا اس پر مواخذہ ہوا کہ تم نے درد کو دودھ کی طرف منسوب کیا۔ یہی توحید ہے دودھ کی کیا ہستی ہے کہ کچھ تاثیر کرسکے۔ اسباب میں فی نفسہ کچھ تاثیر نہیں یہ تو محض علامات وامارات ہیں۔ مؤثر حقیقت میں حق تعالیٰ ہیں اور گو آثار کی نسبت اسباب کی طرف کردینا شرعاً جائز ہے مگر کاملین سے بعض مباحات پر بھی مواخذہ ہوتا ہے کیونکہ ان کی نظر حقیقت پر ہوتی ہے پھر وہ اسناد مجازی کا استعمال کس لئے کرتے ہیں ان کو ہمیشہ اسناد حقیقی کا لحاظ کرنا چاہیے اور اسباب کی طرف مسببات کی اسناد حقیقی نہیں ہوسکتی ان کی تو حالت مشاہدہ کی یہ ہے۔

نبارد ہوا تانگوئی ببار زمین نادرد تانگوئی بیار (۱)

اسباب بدون حکم کے کچھ نہیں کرسکتے عارف کا تو مذاق یہ ہوتا ہے۔

گر گزندت رسد زخلق مرنج کہ نہ راحت رسد زخلق نہ رنج

از خداداں خلاف دشمن دوست کہ دل ہر دودر تصرف اوست (۲)

جس کا یہ مذاق ہو اور جس پر یہ حقیقت منکشف ہوچکی ہو اس کی زبان

(۱) ''ہوا بغیر آپ کے حکم کے چلتی نہیں اور زمین بغیر حکم کے اگاتی نہیں'' (۲) ''اگر مخلوق سے تجھ کو کوئی تکلیف پہنچے تو رنجیدہ نہ ہو اس لئے کہ مخلوق سے نہ راحت پہنچ سکتی ہے نہ رنج دوست اور دشمن کے خلاف کو خدا کی طرف سے جان کیونکہ دونوں کے دل اللہ تعالیٰ کے تصرف میں ہیں''۔

سے یہ بات کیونکر نکل سکتی ہے کہ دودھ سے پیٹ میں درد ہو گیا۔

## حق تعالیٰ شانہ کے سامنے اسباب کی مثال

مولانا اسی باب میں فرماتے ہیں:

انت کالریح ونحن کالغبار　　یختفی الریح وغبارھا جھار

ماہم شیران و لے شیر علم
جملہ شان از باد باشد دمبدم
آن کہ ناپیداست ہرگز کم مباد

یعنی حق تعالیٰ کے سامنے اسباب کی ایسی مثال ہے جیسے ہوا کے سامنے غبار ہوتا ہے۔ ظاہر میں غبار اڑتا ہوا نظر نہیں آتا، ہوا نظر نہیں آتی۔ مگر ظاہر ہے کہ غبار کی حرکت جو کچھ ہے وہ ہوا ہی کی وجہ سے ہے۔ آگے فرتے ہیں کہ ہم بھی ظاہر میں شیر کی طرح حملہ کرتے ہیں مگر ایسے شیر ہیں جیسے جھنڈے پر شیر کی تصویر بنی ہوئی ہے کہ جب ہوا چلتی ہے تو وہ حملہ آور معلوم ہوتا ہے مگر حملہ تو ظاہر ہے۔ اور ہوا جس سے ان کی حرکت اور حملہ کا وجود ہوا ہے مخفی ہے اسی طرح ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں اس کا منشاء حق تعالیٰ کی مشیت ہے مگر ارادہ حق مخفی ہے اور ہمارے اعمال ظاہر ہیں اس لئے لوگوں کو دھوکہ ہو جاتا ہے کہ وہ اسباب کو فاعل کہہ دیتے ہیں۔ مولانا چونکہ ادب سے بھرے ہوئے ہیں اس لئے آگے ان تشبیہات وتمثیلات سے استغفار کرتے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے لئے کوئی تشبیہ حقیقی نہیں ہو سکتی سب ناقص مثالیں ہیں۔ اس لئے فرماتے ہیں:

اے بروں از وہم وقال وقیل من　　خاک برفرق من تمثیل من (۱)

(۱) اے وہ ذات جو وہم وخیال اور قیل وقال سے بالا وبرتر ہے مجھ پر اور میری بیان کردہ تمثیلات پر خاک ڈالو۔

# مثنوی کی ظاہری فصاحت وبلاغت

سبحان اللہ مولانا کو کیسے عمدہ الفاظ ملتے ہیں۔ مثنوی میں معنوی خوبی تو ہے ہی ظاہری بلاغت وفصاحت بھی بہت اعلیٰ پایہ کی ہے۔ آگے ان تشبیہوں کا عذر بیان کرتے ہیں کہ جب یہ مثالیں ناقص ہیں تو پھر ان کو بیان ہی کیوں کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ بتلاتے ہیں۔

بندہ نہ شکیبد زتصویر خوشت        ہردمت گوید کہ خانم مفرشت

یعنی بندہ کو آپ کی خوشنما تصویریں بیان کرنے سے صبر نہیں آتا کیونکہ آپ کو دیکھ تو سکتے نہیں پھر کیا آپ کے کمالات کو بھی نہ سمجھیں اور آپ کی صفات سے بھی مزے نہ لیں اور اس کے لئے تمثیل وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس گو یہ ناقص مثالیں ہیں مگر ان سے صفات کمال الٰہیہ تک کسی قدر ذہن پہنچ جاتا ہے۔ علماء ظاہر بعض دفعہ عارفین کو بے ادب کہہ دیتے ہیں کیونکہ ان کے کلام میں تمثیلات بہ کثرت ہونا چاہیئے کہیں حق تعالیٰ کو ہوا سے تشبیہ دیتے ہیں کہیں دریا سے، کہیں آفتاب سے مگر حقیقت میں عارفین سے زیادہ مؤدب کوئی نہیں اور ان تمثیلات کا عذر مولانا نے بیان کردیا ہے کہ عاشق کو محبوب کی تصویر سے صبر نہیں آتا اسے تصویر بھی پیاری ہوتی ہے حالانکہ ذات کے آگے تصویر ہے کیا چیز محض چند نقوش کا مجموعہ مگر جو عشق سے آشنا ہے وہ جانتا ہے کہ کاغذ کی تصویر ہی سے دل کو کس قدر تسلی ہوجاتی ہے۔ یہی حال عارفین کی تمثیلات کا ہے کہ وہ صفات الٰہیہ کی تصویر کے واسطے ناقص مثالوں کو ذریعہ بنالیتے ہیں۔ گویا ظاہر میں یہ بے ادبی معلوم ہو مگر ان کا باطن عشق کی وجہ سے سراپا ادب ہے۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں۔

بے ادب ترنیست زوکس درجہاں        با اداب ترنیست زوکس درنہاں(۱)

(۱) ”بے ادب تر ان سے دنیا میں کوئی شخص نہیں اور باادب بھی زیادہ کوئی نہیں“۔

## مثالوں کے بیان کرنے کا نفع

غرض مولانا نے اس مقام پر یہ ظاہر فرمادیا کہ مؤثر حقیقی حق تعالیٰ ہیں کوئی چیز مؤثر نہیں۔ اس مسئلہ کو مولانا نے تمثیلات سے بخوبی واضح کردیا ہے اور بات یہ ہے کہ یہ مثالیں گو ناقص ہوں مگر ان سے مضمون کی توضیح خوب ہوجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عارفین کے کلام سے مخاطب کی تسلی ہوجاتی ہے اور علماء ظاہر کے کلام سے تسلی نہیں ہوتی کیونکہ ان کو ایسی مثالیں نہیں ملتی جن سے معقول کو محسوس بنادیں۔ عارفین کو نہ معلوم یہ مثالیں کہاں سے مل جاتی ہیں وہ دقیق سے دقیق (۱) مضمون کو مثالوں سے ایسا واضح کردیتے ہیں کہ بات دل میں گھس جاتی ہے۔ عارفین نے اس طرز میں عادۃ اللہ اور عادۃ الانبیاء کا اتباع کیا ہے۔ حق تعالیٰ کے کلام میں بھی مثالیں بہت ہوتی ہیں۔ چنانچہ زبور کا زیادہ حصہ امثال ہی ہیں اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور حکماء کے اقوال میں بھی امثال بکثرت ہیں۔ جب کمال توحید کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کی طرف کسی فعل کی اسناد نہ کی جائے نہ حقیقی نہ مجازی بلکہ ہر فعل کی اسناد حق تعالیٰ کی طرف کی جائے تو عارف کے نزدیک یہ بات توحید کے خلاف کیوں نہ ہوتی کہ دودھ سے درد ہوگیا چونکہ حضرت بایزید عارف کامل تھے اس لیے ان سے ان کے درجہ کے موافق مواخذہ ہوا کہ یہی توحید ہے جس کو تم ہمارے واسطے لائے ہو کہ دودھ کی طرف درد کی نسبت کرتے ہو۔

## حضرت بایزید کی مغفرت کا سبب

حضرت بایزید یہ سن کر گھبرا گئے اور عرض کیا الٰہی میرے پاس تو کچھ بھی نہیں، ارشاد ہوا کہ راہ پر آگئے تو جاؤ اب ہم تم کو ایسے عمل سے بخشتے ہیں جس پر

(۱) باریک سے باریک مضمون کو مثالوں سے واضح کردیتے ہیں۔

تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ اس سے بخشش ہوجائے گی وہ یہ کہ تم نے ایک رات ایک بلی کے بچے کو سردی میں اکڑتے ہوئے دیکھا تھا تم کو اس پر رحم آیا اور اپنے لحاف میں لاکر سلالیا، اس بچے نے دعا کی کہ اے اللہ اس کو بھی ایسی ہی راحت دیجئے جیسے اس نے مجھے راحت دی، جاؤ آج ہم تم کو اس بلی کے بچے کی دعا سے بخشتے ہیں، سارا تصوف گاؤ خورد ہوگیا، سارے مراقبے اور مجاہدے رکھے رہ گئے اور ایک بلی کے بچے کی سفارش سے بخشے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ ذرا سے دعوے میں حقیقت کھل گئی اور معلوم ہوگیا کہ ہماری توحید بھی ناقص ہے وہ بھی اس قابل نہیں کہ جو خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کی جاسکے حالانکہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ واقع میں عارف کامل تھے انمیں تو محض ایک معنی کا اضافی نقص تھا جب ان سے ذرا سے دعویٰ پر مواخذہ ہوا تو ہمارا کیا حال ہوگا۔ جہاں اضافی نقص کیا معنی حقیقی نقص موجود ہے بلکہ سر سے پیر تک نقص ہی نقص ہے اور اس پر دعوے ایسے لمبے چوڑے کہ اپنے کو تعلیم یافتہ اور عالم اور مقتدا اور مجتہد سب کچھ سمجھتے ہیں اور عمل کی حالت ہے کہ رات دن گناہوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے جو دیندار بھی کہلاتے ہیں وہ کسی ایک کام کے اعتبار سے دیندار ہیں دوسرے کاموں میں وہ دینداری کی ذرا پرواہ نہیں کرتے جیسے آج کل ڈاکٹر ہوتے ہیں کہ کوئی آنکھ کے علاج میں ماہر ہوجاتا ہے وہ یہی کام کرتا ہے اور اسی میں مشہور ہوجاتا ہے، آنکھ کے سوا وہ کسی عضو کا علاج نہیں کرتا۔ دوسرا دانت کے علاج میں ماہر ہے وہ اسی کا کام کرتا ہے کوئی چیر پھاڑ کا مشاق ہی وہ زخموں ہیں کا علاج کرتا ہے۔ اسی طرح ہم نے بھی دین کے شعبوں میں انتخاب کرلیا ہے جیسے گلستان بوستان کا انتخاب کیا گیا ہے۔

## مریض کو ہر عضو کا علاج ضروری ہے

حالانکہ اول تو طبیب کے لئے بھی یہ بات عیب کی ہے کہ وہ کسی خاص مرض ہی کا معالجہ کرتا ہے، کمال جامعیت ہی میں ہے لیکن اگر وہ انتخاب کرے تو چنداں مضائقہ نہیں مگر مرض کو تو انتخاب نہ کرنا چاہیے کہ اس کی آنکھ ناک اور ہاتھ پیر میں بیماری ہو تو ان میں سے صرف ایک کا علاج کر لے اور باقی اعضاء کا علاج نہ کرے۔ مریض کو ایک عضو کا علاج کر کے کبھی صحت نہیں ہو سکتی اس کو تو سارے ہی جسم کا علاج ضروری ہے ورنہ بیکار ہو جائے گا۔ ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ چند اعضاء میں نقص ہو تو ایک کا علاج پہلے کرے دوسرے کا پیچھے۔ مگر علاج تو سارے جسم کا ہی ضروری ہے اس میں یہ انتخاب کر لینا کہ ایک کا علاج ہو ایک کا نہ ہو سخت حماقت ہے لیکن آج کل انتخاب کا بازار گرم ہے ہر چیز کا ست نکالا جاتا ہے دین کا بھی ست نکال لیا گیا مگر اس کا نتیجہ وہی ہوا ایک شخص کی آنکھ اور ناک اور ہاتھ پیروں میں مرض تھا اور اس نے صرف آنکھ کا علاج کیا تو ظاہر ہے کہ وہ لنگڑا لنجارہ جائیگا۔ اس انتخاب پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔

## کلام پاک میں مکرر آیات کے اعتراض کا عجیب جواب

کسی مسلمان بادشاہ کے زمانہ میں ایک ملحد نے قرآن پر اعتراض کیا تھا کہ اس میں مکرر آیات بھی موجود ہیں یہ خدا کا کلام نہیں، معلوم ہوا تو بادشاہ نے اس کو گرفتار کر کے بلایا اور پوچھا کہ قرآن پر تجھ کو کیا شبہ ہے بیان کر۔ اس نے یہی کہا کہ قرآن میں بعض جگہ مکررات موجود ہیں اس لیے یہ خدا کا کلام نہیں معلوم ہوتا (نعوذ باللہ) خدا تعالیٰ کو مکررات لانے کی کیا ضرورت تھی۔ بادشاہ نے جلاد کو حکم دیا

کہ اس شخص کے اعضاء مکررہ میں سے ایک ایک کاٹ دو، ایک ہاتھ رہنے دو اور ایک پیر۔ ایک آنکھ رہنے دو اور ایک کان کیونکہ یہ خدا کا بنایا ہوا نہیں معلوم ہوتا، خدا تعالیٰ کو مکررات کی کیا ضرورت تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اس میں اضافہ کیا ہے لہذا مکررات کو حذف کر دو اور ایک ایک عضو رہنے دو۔ واقعی خوب سزا دی۔ اسی طرح آج کل ہمارے بھائیوں نے دین میں انتخاب کیا ہے کہ کوئی نماز کو ضروری سمجھتا ہے اور نماز ہی کی پابندی کرتا ہے نہ زکوٰۃ دے نہ حج کرے نہ معاملات میں سود اور رشوت سے پرہیز کرے، کوئی روزہ کو ضروی سمجھتا ہے اور رمضان میں روزہ کا خوب اہتمام کرتا ہے اور بقیہ اعمال وطاعات کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔ کوئی حج کو ضروری خیال کرتا ہے اور حج کر کے اپنے خیال میں جنت کا مالک ہو جاتا ہے اب نہ ظلم سے بچنے کا اہتمام ہے نہ غصب سے نہ امانت میں خیانت سے نہ زنا وغیرہ سے، لوگ ایسے ہی حاجی کو پاجی کہتے ہیں غرض اتنا اختلاف ہے آزاد افراد میں کہ اس کو دیکھ کر یہ کہنا بجا معلوم ہوتا ہے کہ انسان نوع نہیں کیونکہ نوع کے افراد میں اتنا اختلاف نہیں ہوتا بلکہ جنس سے اور اس کے افراد انواع ہیں جس میں ہر نوع منحصر فی فرد واحد ہے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب کی یہ تقریر ہے واقعی قیمتی لطیفہ ہے انسان کے ہر ہر فرد کی طبیعت کو دوسرے سے اتنا اختلاف ہے کہ دونوں کو متحد کہنا بعید معلوم ہوتا ہے۔ منطقین نے نطق سب کو متحد مانا ہے جس سے ادراک مراد ہے۔

## دیہاتی اور عاقل فلسفی کے ادراک کا فرق

ایک دیہاتی اور ایک عاقل فلسفی کے ادراک میں اتنا زمین آسمان کا فرق ہے کہ دونوں کو ایک ایک ادراک کے تحت میں داخل کرنا نہایت دشوار ہے۔ بس فلاسفہ ہی نے دونوں کو ایک نوع کے افراد سمجھا ہے ممکن ہے ان کا ادراک ایسا ہی ہو

جو تمام افراد انسان سے متحد ہو سکتا ہو تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ امام ابو حنیفہ کا اور ایک کاشتکار ہل جوتنے والے کا ادراک ایک ہی حقیقت کے دو فرد ہیں۔ خیر یہ تو اپنی اپنی اصطلاح ہے کہ کوئی اس اختلاف کے بعد بھی انسان کو نوع کہے اور کوئی اس کو نوعیت کے منافی سمجھ کر انسان کو جنس کہے مگر اس میں شبہ نہیں کہ انسان کی رائے میں اس درجہ اختلاف ہے کہ شاید اجناس میں بھی اتنا اختلاف نہ ہو۔ اسی وجہ سے دین کے اجزاء میں انتخاب کرنے والے بھی باہم مختلف ہیں جو نماز کو ضروری سمجھتا ہے۔ وہ نماز کے وقت تو دیندار معلوم ہوتا ہے بہت گڑگڑا کر منہ بنا کر دعائیں مانگتا ہے۔ جیسے بالکل فرشتہ ہے اور جہاں مسجد سے باہر نکلے پھر شیطان بھی ان سے پناہ مانگتا ہے۔ بس یہ حالت ہے۔

گر رشک برد فرشتہ بر پاکی ما　　　گر خندہ زند دیو زناپاکی ما
ایماں چو سلامت بلب گور بریم　　　احسنت بریں چستی وچالاکی ما
گر زندہ برم بگور ایمان خودم

’’کبھی فرشتہ کو ہماری پاکی پر رشک ہوتا ہے اور کبھی دیو بھی ہماری ناپاکی پر ہنستا ہے جب قبر کے کنارے ہم ایمان سلامت لے جائیں تو ہماری اس چالاکی اور چستی پر آفریں کہنا چاہیے اور اگر گور میں اپنا ایمان زندہ لے جائیں‘‘۔

## امراض روحانی

بعض لوگ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج سب کے پابند ہیں۔ ظاہری گناہوں سے بھی بچتے ہیں مگر ان کو اصلاح اخلاق کا اہتمام نہیں۔ تکبر، حسد، کینہ، ریا وغیرہ میں مبتلا ہیں اور عجب سے تو شاید ہی کوئی بچا ہو۔ نماز پڑھ کر اپنی حالت کو دوسروں سے اچھا سمجھتے ہیں بے نمازیوں کو حقیر جانتے ہیں اہل علم اور ذاکرین بھی اس مرض

میں مبتلا ہیں۔ علماء کو اپنے علم پر ناز ہے۔ وہ جہلاء کو جانور سمجھتے ہیں، ذاکرین کو ذکر و شغل پر ناز ہے وہ غیر ذاکرین کو بے ہودہ سمجھتے ہیں۔

## عطائے حق کی ناشکری

یہاں ایک علمی شبہ ہوتا ہے میں اس کو رفع کر دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اگر کوئی آدمی نماز پڑھے، روزہ رکھے تو کیا وہ اپنے کو نمازی نہ سمجھے بے نمازی ہی سمجھے اور خدا نے ایمان کی دولت عطا کی ہے تو کیا وہ اپنے کو مؤمن نہ سمجھے، اپنے کو کافر سمجھے، اگر یہی تواضع ہے تو یہ تو ایسا واقعہ ہوا جیسے میں ایک دفعہ الٰہ آباد سے کانپور جارہا تھا ریل میں چند نوجوان جنٹلمین سوار تھے۔ ایک مصنف صاحب بھی سوار تھے، وہ مصنف صاحب پرانے آدمی سادی وضع کے تھے تو جنٹلمینوں نے ان کو بنانا شروع کیا، کھانے کا دسترخوان بچھایا اور ایک نے مصنف صاحب سے کہا کہ جناب آپ بھی گوہ موت کچھ کھا لیجئے، دوسرے ساتھی نہ کہا کہ کمبخت توبہ کر توبہ کھانے کو گوہ موت کہتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ کھانے کو کھانا کہنا یہ بھی تکبر ہے اور اسے کفر کہنا ہی تواضع ہے مگر شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی بلکہ یہ ناشکری میں داخل ہے تو اگر نماز پڑھ کر اپنے کو نمازی نہ کہے تب تو ناشکری اور اگر نماز پڑھ کر اپنے کو نمازی سمجھیں اور نمازی کہیں تو یہ ''لَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ'' (اپنے نفس کا تزکیہ نہ بیان کرو) کے خلاف ہے اور عجب میں داخل ہے تو اب حیرت ہوتی ہے کہ کیا کریں اور کیا سمجھیں اور کیا کہیں۔ اس حیرت میں بعض ناحقیقت شناس تو گھبرا کر کہہ اٹھے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردۂ     بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش (۱)

(۱) ''تختہ سے باندھ کر قعر دریا میں ڈال دیا ہے پھر کہتے ہو ہشیار دامن نہ بھیگے''۔

اور قال شاعر من العرب (عرب کے شاعر نے کہا ہے)

القاہ فی الیم مکتوفا وقال لہ ایاك ایاك لا تبتل بالماء (۱)

مگر محققین نے اس حیرت کو رفع فرمایا۔ وہ فرماتے ہیں کہ نماز پڑھ کر اپنے کو نمازی ہی کہے اور نمازی سمجھے مگر ساتھ میں یہ بھی سمجھے کہ یہ میرا کمال نہیں بلکہ محض عطائے حق اور یوں کہے:

واللّٰہ لولا اللّٰہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

اور یوں کہے:

الحمدللّٰہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدان اللّٰہ (۲)

یعنی بخدا اگر خدا کا فضل نہ ہوتا تو نہ ہم سے صدقہ خیرات ہوسکتا نہ نماز پڑھ سکتے، خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو ان کاموں کی توفیق دی اگر خدا تعالیٰ توفیق نہ دے تو ہم ہرگز یہ کام نہ کرسکتے۔

## ہماری حقیقت ہی کیا ہے

صاحبو! اگر کسی چمار کو بادشاہ ایک بیش قیمت موتی دیدے جو اس کی لیاقت سے کہیں زیادہ ہے تو بتلائیے وہ کیا کہے کیا وہ اپنے کو موتی والا نہ کہے، نہیں موتی والا ضرور کہے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہے کہ بادشاہ کی بڑی عنایت ہے کہ ایک چمار کو اتنی بڑی چیز دیدی۔ اسی طرح آپ نماز پڑھ کر اپنے کو نمازی سمجھیں مگر ساتھ میں یہ بھی سمجھیں کہ ہم تو اصل میں نالائق تھے اس نعمت کے قابل نہ تھے یہ خدا کی عطا ہے کہ ہم جیسے نالائقوں کو اپنے دربار میں آنے کی اجازت دیدی۔ دیکھئے

(۱) دریا میں باندھ کر اس کو ڈال دیا ہے پھر کہتے ہیں خبردار پانی سے نہ بھیگ (۲) ''اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچادیا اور ہماری کبھی رسائی نہ ہوتی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو نہ پہنچاتے''۔

اب شکر اور تواضع دونوں جمع ہو گئے اس طریق میں نہ عطائے حق کی ناشکری ہوئی نہ تکبر ہوا۔ نماز کو نماز بھی سمجھا اور اپنے کو نالائق بھی سمجھا اور نماز کو محض عطائے حق سمجھا اس صورت میں آپ نماز پڑھ کر بے نمازیوں کو حقیر نہیں سمجھیں گے ہاں ان کے حال پر رحم کریں گے بلکہ اگر ضرورت ہو تو بے نمازوں کو دھمکاؤ بھی اور جن پر زور ہو ان کو مارو بھی مگر اس سزا کی شان یہ ہو کہ جیسے بادشاہ بھنگی کو حکم دے کہ کسی جرم میں شہزادے کے سو تازیانے مارے تو وہ حکم شاہی کی وجہ سے مارے گا تو سہی مگر دل میں تھوڑا تھوڑا شرمندہ ہوتا جاوے گا اور اسے کبھی شہزادہ سے افضل ہونے کا گمان نہیں ہوسکتا۔ محض مجبور ہو کر حکم کی تعمیل کرے گا بس یہی حال ہمارا بھی ہونا چاہیے۔ شریعت کے حکم سے اپنے نوکروں چاکروں کی اصلاح کریں اہل وعیال پر حکومت کریں بے نمازوں کو ماریں دھمکائیں مگر ان کو اپنے سے افضل سمجھیں مگر جزماً افضل نہ سمجھو تو کم از کم احتمالاً ہی سمجھو کہ شاید خدا تعالیٰ کے نزدیک کسی خاص صفت یا فعل کے سبب یہ ہم سے فی الحال افضل ہو یا فی المآل (۱) اس کو افضل بنادیں کیونکہ آپ کو محض خدا تعالیٰ کی توفیق سے نماز وغیرہ کی توفیق ہوئی ہے اور وہ توفیق کو سلب بھی کرسکتے ہیں وہ پکے نمازی کو بھی بے نمازی بناسکتے ہیں اور ہماری اور آپ کی تو حقیقت ہی کیا ہے۔ حق تعالیٰ تو اپنے حبیب (صلی اللہ علی وسلم) کو یہ فرماتے ہیں: ﴿ وَلَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيۡنَا وَكِيۡلًا ﴾ (۲)

آہ حضور ﷺ کو ایسا خطاب دلیل ہے قرآن کے کلام اللہ ہونے کی خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی ہمت نہیں کہ حضور ﷺ کو ایسا خطاب کرسکے نہ حضور ﷺ

(۱) انجام کے اعتبار سے (۲) ''اور اگر چاہیں تو اس وحی کو بالکل سلب کرلیں جو آپ کی طرف بھیجی گئی ہے پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کسی کو کارساز نہ پائیں (الاسراء:۸۶)۔

مضمون خود بنا سکتے تھے جس سے آپ کے کمالات کے زوال کا امکان ظاہر ہو پھر چونکہ اس سے حضور ﷺ کے کانپ اٹھنے کا موقع تھا اس لئے آگے تسلی فرماتے ہیں: ''اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ'' یعنی صرف رحمت کارسازی کر سکتی ہے پھر چونکہ رحمت مشیت کے تابع ہے اور مشیت ہر مقدور کے ساتھ متعلق ہو سکتی ہے تو یہ کیسے معلوم ہو کہ یہاں مشیت کا تعلق بصورت رحمت ہی ہوگا اس لیے آگے تاکید کے ساتھ فرماتے ہیں: ''اِنَّ فَضۡلَهٗ كَانَ عَلَيۡكَ كَبِيۡرًا ''(۱) بیشک خدا تعالیٰ کا فضل آپ کے حال پر بہت کچھ ہے۔ اب پوری تسلی ہوگئی کہ گو حق تعالیٰ کو سلب وحی پر(۲) پوری قدرت ہے مگر بوجہ کمال فضل کے سلب کا وقوع(۳) کبھی نہ ہوگا۔ پس وہ ممتنع بالذات نہیں تو ممتنع بالغیر ضرور ہے(۴) اور فضل و رحمت کے ساتھ سلب پر قدرت ہونا یہی علامت ہے۔ غایت رحمت وفضل کی کہ ایک بات پر قدرت ہے مگر فضل و انعام کی وجہ سے قدرت کو ظاہر نہیں کرتے اور اگر سلب پر قدرت نہ ہوتی تو اضطرار ہوتا اور اضطرار کی صورت میں وحی کا سلب نہ ہونا دلیل رحمت وفضل نہ ہوتی۔ غرض ایک دفعہ کو حق تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے بھی فرمادیا کہ ہم ایسے قادر ہیں کہ آپ جیسے کامل و اکمل کے کمالات بھی سلب کر سکتے ہیں گو کریں گے کبھی نہیں۔ جب حضور ﷺ کے لئے یہ ارشاد ہے پھر ہم تو کیا چیز ہیں جو دعویٰ کر سکیں۔ ہماری نماز کیا اور ہمارا علم کیا اگر حق تعالیٰ چاہیں تو دم بھر میں سب سلب کر لیں۔

## مقامِ عبرت

مولانا محمد رشید کانپوری رحمۃ اللہ علیہ کو فالج پڑا تھا تو سورۃ فاتحہ تک بھول

(۱) الاسراء: ۸۷ (۲) وحی کو بند کرنے پر (۳) کمال فضل کی بنا پر وحی کبھی بند نہیں کی جائیگی (۴) اپنی ذات کے اعتبار سے رکنے والا نہیں ہاں اللہ چاہیں تو روک سکتے ہیں لیکن رحمت وفضل کی بنا پر نہیں روکیں گے۔

گئے تھے حالانکہ وہ بہت بڑے عالم وفقیہ تھے مگر فالج میں یہ حالت ہوئی کہ علم تو الگ رہا سورہ فاتحہ تک بھی بھول گئے تھے جو مسلمانوں کے بچوں کو بھی یاد ہوتی ہے۔ جب فالج سے افاقہ ہونے کے بعد ہفتہ بھر میں ان کو الحمد یاد ہوئی تو کثیر مقدار میں شیرینی تقسیم ہوئی تھی جیسے بچوں کو بسم اللہ کے موقع پر مٹھائی بانٹا کرتے ہیں۔ واقعی عبرت کا موقع ہے ایک بار مجھے خود یہ واقعہ پیش آیا کہ عشاء کے بعد ذراسی دیر مدرسہ میں لیٹ کر جو میں گھر جانے لگا تو گھر کا راستہ بھول گیا۔ حالانکہ گھر مدرسہ سے کچھ بھی دور نہیں نہ راستہ پیچدار، سیدھا راستہ برسوں سے پیروں کو لگا ہوا مگر اس وقت بالکل بھول گیا اور دوسروں کے گھر پر جا پہنچا۔ جب وہاں جا کر معلوم ہوا کہ یہ فلاں شخص کا گھر ہے تو پھر بہت ہی مشکل سے سوچ ساچ کر اپنے گھر پہنچا۔ پس سمجھ لیجئے کہ ہمارا علم کیا ہے کچھ بھی نہیں سب خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور موٹی بات ہے کہ رات کو سوتے ہوئے روزانہ ہمارے سب علوم سلب ہوجاتے ہیں پھر یہ حق تعالیٰ کا فضل ہی تو ہے کہ صبح کو سب خزانہ واپس مل جاتا ہے اگر وہ چاہیں تو ایسا بھی کر سکتے ہیں کہ جیسے سوتے ہوئے علم سے معرا(۱) ہوگئے تھے ایسے ہی صبح کو کورے کے کورے اٹھیں اس لئے ہم کو دعویٰ ہرگز نہ کرنا چاہیے۔ دیکھئے حضرت بایزید کے منہ سے توحید کا دعویٰ نکل گیا تھا اسی لیے اسی وقت مواخذہ ہوا اور حقیقت کھل گئی۔ جب دعوے کے بعد ایسے کاملین کی توحید بھی ناقص ثابت ہوئی تو ہمارا تو کیا منہ ہے جو دعویٰ کریں ہماری توحید ہی کیا ہے۔

## توحید کا ایک خاص مرتبہ عارفین کے ساتھ مخصوص ہے

بس ہماری توحید تو اتنی ہے کہ دل سے اعتقاد اور زبان سے تکلما(۲)

(۱) علم سے خالی ہوگئے (۲) زبان سے اللہ کو ایک کہتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کو واحد کہتے ہیں گو اس کی حقیقت منکشف نہ ہو وہ حقیقت یہ ہے۔

مغرور سخن مشوکہ توحید خدا　　واحد دیدن بود نہ واحد گفتن(۱)

یعنی خدا تعالیٰ کے سوا کسی فاعل کا مشاہدہ ہی نہ کرے گا مگر اس جگہ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ توحید کا یہ مرتبہ عارفین کے ساتھ مخصوص ہے۔ عام لوگ اس کے مکلّف نہیں ہیں کہ کسی سبب کی طرف بھی مسبب کو منسوب نہ کریں ان کو اس کی اجازت ہے۔ بس وہ تو اس کے مکلّف ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی چیز کو مؤثر حقیقی نہ سمجھیں۔ اس کے بعد اگر وہ تاثیر مجازی کے درجہ میں کسی سبب کی طرف اثر کو مضاف کردیں تو ان سے مواخذہ نہ ہوگا۔ البتہ کاملین سے اس پر بھی مواخذہ ہوتا ہے وہ اس کے بھی مکلّف ہیں کہ تاثیر مجازی کے درجہ میں بھی کسی چیز کی طرف اسناد نہ کریں اور عوام کو اس کا مکلّف اس لئے نہیں کیا گیا کہ اگر وہ جملہ حوادث کی نسبت بلاواسطہ حق تعالیٰ کی طرف کرنے لگیں نافع کاموں کی بھی اور مضر کاموں کی بھی تو چونکہ ان کے قلوب میں حق تعالیٰ کی محبت وعظمت اس قدر نہیں اس لئے اندیشہ ہے کہ نعوذ باللہ ان کے قلب میں حق تعالیٰ کی طرف سے ناگواری پیدا نہ ہوجائے اور عارفین کو بوجہ غلبہ محبت کے یہ ضرر نہیں ہوتا۔ یہاں سے اسباب کی حکمت معلوم ہوگئی کہ حق تعالیٰ نے ان کو بیچ میں واسطہ اس لئے بنادیا ہے تاکہ عوام کو ضرر یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے ناگواری نہ ہو۔ اب یہاں میں آپ کو ایک بات بتلاتا ہوں جس سے حاجی صاحب کا امام فن ہونا معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت نے ضیاء القلوب میں مراقبہ توحید کو نقل کرکے تحریر فرمایا ہے لیکن محققان حال ازیں مراقبہ منع فرمودہ اند (لیکن محققین نے اس مراقبہ سے منع فرمایا ہے)۔

(۱) ”توحید خدا کا دعویٰ مت کرو کہ توحید اللہ تعالیٰ شانہ کو واحد جاننا ہے نہ کہ واحد کہنا“۔

## ضیاء القلوب عجیب متن ہے

میں عرصہ تک اس شش و پنج میں رہا کہ محققین نے اس مراقبہ سے کیوں منع کیا اس میں کیا مفسدہ تھا، بہت دنوں کے بعد حقیقت واضح ہوئی اس وقت حضرت کے اس جملہ کی کیا قدر ہوئی۔ضیاء القلوب عجیب متن ہے جب یہ کتاب لکھی گئی تو مولانا محمد قاسم صاحب نے حضرت حاجی صاحب سے عرض کیا تھا کہ حضرت اس کی تو بہت بڑی شرح ہوسکتی ہے۔ حضرت نے بہت سادہ لہجہ سے فرمایا کہ بھائی میں نے متن لکھ دیا ہے تم شرح کردو۔ بہرحال حضرت نے مراقبہ توحید سے ممانعت فرمائی ہے اور میں نے حضرت کے سوا کسی محقق کے کلام میں اس کی ممانعت نہیں دیکھی۔ اب یا تو حضرت نے کسی کے کلام میں یہ بات دیکھی ہو یا کسی سے زبانی سنی ہو یا خود حضرت ہی کی رائے ہو جسے ابہام کے ساتھ تحریر فرمایا اور یہی ظاہر ہے اس میں راز وہی ہے جو مجملاً اوپر عرض کیا ہے۔ یعنی اس زمانہ میں قلوب میں محبت الٰہی کم ہے اس حالت قلب محبت میں اگر توحید مذکور کا استحضار ہوا تو تمام افعال کو حق تعالیٰ کا فعل سمجھے گا۔ اولاد مرگئی یا کوئی مالی نقصان ہوگیا تو اس شخص کو حق تعالیٰ کا فعل بلاواسطہ منکشف ہوگا اور محبت ہے کم تو خدا تعالیٰ سے نعوذ باللہ عداوت و بغض ہوجاوے گا۔ اس لئے آج کل اس توحید کا انکشاف عام طور پر نافع نہیں ہوتا۔

## محبّ کا حال

اور اگر محبت کامل ہو تو پھر کچھ ضرر نہیں ہوتا۔ محبّ کا تو حال ہوگا اور قال یہ

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو — دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

"زندہ کریں آپ کی عطا ہے قتل کریں آپ پر قربان ہوں دل آپ پر فریفتہ ہے جو

کچھ کریں اس پر راضی ہوں“

اور وہ یوں کہے گا

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

”دشمن کا نصیب نہ ہو کہ آپ کی تلوار سے ہلاک ہو دوستوں کا سر سلامت رہے کہ آپ خنجر آزمائی کریں“

## مسلمانوں میں صفائی معاملات کا فقدان ہے

یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ آج کل ہم لوگوں نے دین میں انتخاب کرلیا ہے۔ کسی نے صرف نماز کو لے لیا، کسی نے صرف روزہ کو کسی نے عبادات میں واجبات وفرائض کا اہتمام تو اخلاق کو چھوڑ دیا۔ اس لئے اعمال بلا اخلاق کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ نماز پڑھ کر عجب اور تکبر میں مبتلا ہوجاتے ہیں، دعویٰ اور فخر کرنے لگتے ہیں، دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں اور اس حالت کی اصلاح کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے ایسے لوگوں نے دین کو نماز روزہ پر منحصر سمجھ لیا ہے اخلاق ومعاملات کو بالکل پس پشت ڈال دیا۔ چنانچہ اخلاق کی کیفیت تو اوپر معلوم ہوچکی، معاملات کی حالت یہ ہے کہ مسلمان معاملات عدالت کو وکلاء سے تو پوچھتے ہیں، علماء سے کبھی نہیں پوچھتے کہ ہم یہ معاملہ کس طرح کریں۔ یہ شریعت کے مطابق ہے یا نہیں بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ شریعت کو معاملات سے کیا مطلب۔

## ایک بیوہ کا کلمہ کفر

چنانچہ بعض بدنصیب اس بات کو زبان سے بھی کہہ دیتے ہیں جو کہ ایک سخت کفریہ کلمہ ہے ایک شخص کی لڑکی بیوہ ہوگئی لوگ اس کو عقد ثانی کی ترغیب دے

رہے تھے کہ بیوہ کے نکاح کی شریعت میں بہت فضیلت ہے تم اپنی لڑکی کا دوسرا عقد کردو۔ تو وہ کمبخت کہتا ہے: (نقل کفر کفر نہ باشد) کہ صاحب حضور ﷺ ہمارے روزہ نماز کے نبی ہیں، شادی بیاہ کے نبی نہیں اس میں ہم اپنی رائے سے جو چاہیں گے کریں گے (نعوذ باللہ واستغفر اللہ) ایک عورت کمبخت نے اسی باب میں جبکہ اس سے حضور ﷺ کی بعض صاحبزادیوں کے عقد ثانی کا ذکر کیا گیا تو اس نے سن کر یہ کہا کہ (نعوذ باللہ) وہ لڑکیاں جن کا حضور ﷺ نے عقد ثانی کیا ہے شریف بیوی کے پیٹ سے نہ تھیں (نعوذ باللہ) دیکھو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نہیں ہوا۔ کمبخت نے حضور ﷺ کی بیٹیوں کو کم ذات قرار دیا، بھلا کوئی اس احمق سے یہ پوچھے کہ تو نے جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مثال دی تو ان کے عقد ثانی کی ضرورت ہی کہاں اور کب ہوئی تھی وہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے ہی انتقال فرما گئی تھیں۔ پھر اس احمق کو اتنی بھی خبر نہ تھی کہ حضور ﷺ کی سب بیٹیاں ایک ہی بیوی سے تھیں اور دوسری بیبیوں سے آپ کی اولاد ہوئی ہی نہیں اور ہوئی بھی تو وہ سب بھی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی شریف زادیاں ہوگئیں کیونکہ آپ کی سب بیبیاں عالی خاندان اور اشرف نسب کی تھیں، غرض معاملات میں اکثر لوگ اپنے کو خود مختار سمجھتے ہیں اور شریعت میں ان کو داخل ہی نہیں سمجھتے۔

اس انتخاب کی وجہ سے ہماری وہ حالت ہو رہی ہے کہ کسی کے ہاتھ ہے تو پیر نہیں، سر ہے تو دھڑ نہیں، دھڑ ہے تو سر نہیں، مجموعہ مل کر تو ایک ایک فرد سالم نکل سکتا ہے مگر فرداً فرداً تو ہم سب ناقص ہی ہیں اور بقاعدہ منطق دیکھا جاوے تو مجموعہ بھی ناقص ہی ہے کیونکہ ناقصین کا مجموعہ بھی منطقی قاعدہ سے ناقص ہی ہوتا ہے مگر

افسوس کہ ہم لوگ اس نقص پر ہی کفایت کئے ہوئے ہیں مجموعہ کے کامل ہونے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔

## دور حاضر کی نئی تفسیر

آج کل ایک نئی تفسیر چھپی ہے جس کی تمہید میں لکھا ہے کہ اس تفسیر کی تصنیف میں بہت سے علماء جمع تھے تو سب کامل نہ تھے، ہر فرد ناقص تھا مگر مجموعہ مل کر تو ضرور کامل ہو گیا تھا۔ سو وہ ایسا مجموعہ تھا جیسے ایک بنئے نے دریا کے کنارے پہنچ کر گاڑی بان سے کہا تھا کہ پانی کو کنارے اور درمیان سے دیکھ کر بتلاؤ اس نے بتلایا تو آپ نے سب کا اوسط نکال لیا، اوسط کے حساب سے ہر حصہ میں پانی کمر تک نکلا، آپ نے گاڑی ڈال دی جب بیچ میں پہنچے تو لگے ڈوبنے، بنئے نے فوراً حساب کو پھر دیکھا تو اوسط حساب کا برابر تھا تو آپ فرماتے لکھا جوں کا توں کنبہ ڈوبا کیوں۔ یہ برکت مجموعہ کے اعتبار سے کرنے کی ہوئی۔ اسی طرح اس مفسر نے چند ناقصوں کو ملا کر ایک مجموعہ بنایا کہ ایک تو کامل ہو گیا، جی ہاں وہ ایسا کامل ہوا کہ سب کو لے کر ڈوبے گا۔

## متعدد ناقص کا مجموعہ کامل نہیں بن سکتا

صاحبو! کیا ایک محلّہ کے بہت سے آدمی مل کر اپنے مکانوں کی ایسی تکمیل پر کفایت کر سکتے ہیں کہ فرداً فرداً تو ہر ایک کا مکان ناقص ہو اور مجموعہ ملا کر سب حاجات مجتمع ہوں کہ ایک گھر میں باورچی خانہ نہ ہو اور ایک کے گھر میں پاخانہ نہ ہو، باورچی خانہ ہو، ایک کے یہاں دالان نہ ہو سہ دری ہو، دوسرے کے ہاں سہ دری نہ ہو دالان ہو، ایک مکان میں اوپر بھی کمرہ ہو دوسرے کے یہاں نہ ہو۔ کسی کے

یہاں بیٹھک ہو کسی کے یہاں نہ ہو اور سب یہ کہہ کر خوش ہو رہے ہیں کہ بلا سے الگ الگ گو ہر ایک کا گھر ناقص ہے مگر تکمیل افراد کی کچھ ضرورت نہیں کیونکہ مجموعہ تو کامل ہے بھلا ایسے کمال مجموعی سے نفع کیا۔ اگر کسی کو رات کے بارہ بجے پاخانہ لگا تو وہ اس کمال سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے کیا آدھی رات دوسرے کے گھر ہگنے جائے گا اور جس کے یہاں باورچی خانہ نہیں وہ روزانہ دوسرے کے چولہے پر کھانا پکایا کرے گا۔ صاحب غور کر کے دیکھ لیجئے چار دن میں حقیقت نظر آجائے گی۔ دنیا کے معاملات میں سب جانتے ہیں کہ کمال مجموعی محض فضول ہے بلکہ کمال شخصی کی ضرورت ہے اسی لئے ہر شخص فرداً فرداً اپنے مکان کی تکمیل میں کوشش کرتا ہے اور دوسرے شخص کے مکان کے بھروسہ پر کبھی اپنے گھر کو ناقص نہیں رکھ سکتا مگر دین کے بارے میں عقل مسخ ہو جاتی ہے۔

اور سنئے اگر چند مریض اکٹھے ہو کر باہم یہ کہیں کہ میاں بعض اعضاء تمہارے درست ہیں اور بعض اعضاء میرے اور بعض فلاں کے بس مجموعہ کامل ہے پھر حکیم صاحب کے پاس جانے اور علاج کرانے کی کیا ضرورت ہے۔ بتلائیے کیا اس طرح وہ تندرست ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں ان شاء اللہ سب ہی مریں گے۔ اسی طرح دین میں بھی اس سے کام نہیں چل سکتا کہ ایک نے نماز پڑھ لی، ایک نے روزہ رکھ لیا، ایک نے زکوٰۃ دے لی، ایک نے حج کر لیا بلکہ ہر ہر شخص کو اپنی ہر ہر حالت کی تکمیل پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے جس کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ اول علم کی، پھر عمل کی کیونکہ عمل بدوں (۱) علم کے نہیں ہو سکتا، کوئی کام بھی ہو پہلے اس کا طریقہ جاننا ضروری ہے پھر اگر علم کامل ہے تو عمل بھی کامل ہوگا اور علم

(۱) بغیر علم۔

ناقص ہے تو عمل بھی ناقص ہوگا۔ دنیا کے کاموں ہی کو دیکھ لیجئے کہ جو شخص جس کام کو خوب جانتا ہے وہ اس کو عمدگی سے کرتا ہے اور جو پوری طرح نہیں جانتا وہ بہت غلطیاں کرتا ہے بلکہ بعض دفعہ کام کو خراب کردیتا ہے۔ایک شخص اصولی تجارت سے واقف ہے وہ تجارت اچھی طرح سے کرے گا۔ تھوڑے سرمایہ سے بہت کچھ نفع کمالے گا اور ایک شخص اصولی تجارت سے ناواقف ہے اس کو نفع تو کیا ہوتا بعض دفعہ اصل سرمایہ بھی ڈوبا دیتا ہے۔اسی طرح ایک شخص زراعت کا طریقہ جانتا ہے وہ تھوڑی سی محنت سے بہت فائدہ حاصل کرلیتا ہے اور جو اس کام کو نہیں جانتا وہ بیج کو بھی ضائع کردیتا ہے۔

## ہر مسلمان کو علم دین کی ضرورت ہے

میں کہاں تک مثالیں دوں خود سوچتے چلے جاؤ بس یہی حال دین کا ہے۔ اے اللہ آخر اس کی وجہ کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ دنیا کے کاموں کا قاعدہ تو سب جانتے ہیں اور اس میں سب کا یہی مشورہ ہوتا ہے کہ بھائی پہلے اس کام کو سیکھ لو پھر کرنا مگر دین کے بارے میں علم کی ضرورت کوئی نہیں سمجھتا۔ پس جو لوگ دین پر عمل ہی نہیں کرتے وہ بھی سن لیں اور جو عمل کررہے ہیں وہ بھی سن لیں کہ علم کی ضرورت سب کو ہے کیونکہ جو لوگ دین پر عمل کررہے ہیں اگر وہ علم سے کورے ہیں تو ان کا عمل ضرور ناقص ہوگا ان کو تکمیل کے لئے علم کی ضرورت ہے اور جو عمل نہیں کرتے ان کو عمل کی بھی ضرورت ہے اور چونکہ وہ موقوف ہے علم پر اس لئے پھر علم کی ضرورت ہے۔غرض علم کی ضرورت سب کے لئے ہوئی۔

## علم کی غایت عمل ہے

رہا عمل تو خود علم کی غایت وہی ہے تو اس کی ضرورت میں کیا کلام ہوسکتا ہے مگر یہ ضرورت نہیں کہ پہلے ہی دن فاضل بھی بن جائیں اور کامل بھی بن جائیں۔ بلکہ ایک ایک دو دو بات سیکھ کر اس کے موافق عمل شروع کر دیں پھر علم وعمل دونوں کی تکمیل میں لگے رہیں۔ ان شاء اللہ ایک دن دونوں میں ایک کمال حاصل ہو جائے گا۔

## حکم عموم الفاظ پر ہوتا ہے

افسوس تو اس کا ہے کہ ہم لوگوں نے نقصان پر قناعت کر رکھی ہے تکمیل کا اہتمام ہی نہیں اس آیت میں جو میں نے تلاوت کی ہے ان ہی دو چیزوں کا ذکر ہے علم کا اور عمل کا اس میں حق تعالیٰ نے ہدیٰ ومغفرت کی ترغیب دی ہے۔ (ہدیٰ سے مراد علم اور مغفرت سے مراد عمل ہے) اور جہل وبدعملی پر وعید بیان فرمائی ہے شاید اس پر طلبہ یہ شبہ کریں کہ یہ آیت تو اہل کتاب کے متعلق ہے تمہاری تقریر میں مسلمانوں کو اس کا مخاطب کیوں کیا گیا، سو خوب سمجھ لو کہ حکم عموم الفاظ پر ہوتا ہے نہ خصوص مورد پر یہی قاعدہ ہے جس کو فقہاء نے اصول میں مصرح (۱) فرما دیا ہے۔ دوسرے میں پوچھتا ہوں کہ قابل ملامت اہل کتاب کی ذات ''من حیث ھی ذات'' (اس حیثیت سے کہ ذات) تھی یا ان کے اعمال قابل ملامت تھے۔ ظاہر ہے کہ ذات پر ملامت نہ تھی بلکہ ان کے اعمال ہی قابل ملامت ہیں۔ پس یہ اعمال جس جگہ بھی پائے جائیں گے قابل ملامت ہوں گے۔ اس لئے

(۱) اصول میں واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے۔

مسلمانوں کو اس کا مخاطب کرنا اگر ان میں بھی ان اعمال کا وجود ہو صحیح ہے بلکہ اگر یہ مخاطب نہ ہو لیکن ان میں یہ اعمال پائے جاتے ہوں جن پر اہل کتاب کو ملامت ہورہی ہے تو اس صورت میں مسلمانوں کو اور زیادہ غیرت کرنی چاہیے کہ ان میں وہ اعمال پائے جاتے ہیں جو اہل کتاب کے مدار مذمت ہیں اور اس غیرت کا مقتضی ہے کہ بہت جلد جہل اور بد عملی کی اصلاح کریں اور علم و عمل کا اہتمام شروع کردیں۔

## اردو میں مسائل پڑھنے کا طریقہ

بحمد اللہ آج کل علم کا سامان بہت کچھ میسر ہے، جابجا دینی مدارس موجود ہیں، سب مسلمانوں کو ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے، میں یہ نہیں کہتا کہ سب عربی پڑھ کر عالم ہی بنیں بلکہ جن کو عربی پڑھنے کی فرصت نہ ہو وہ اردو رسائل ہی سے دینی مسائل کا علم حاصل کریں۔ آج کل خدا کا شکر ہے کہ اردو میں بھی مسائل کا ذخیرہ کافی مقدار میں موجود ہے لیکن ان کا خود مطالعہ کرنا کافی نہیں بلکہ سبقاً سبقاً کسی عالم سے سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت ہے کیونکہ اردو میں مسائل کا ترجمہ ہوجانے سے صرف زبان سہل ہوجاتی ہے مضامین سہل نہیں ہوجاتے۔ چنانچہ اردو میں اقلیدس اور طب کی کتابیں بھی ترجمہ ہوگئی ہیں تو کیا ان کے مطالعہ سے کوئی شخص ریاضی داں یا طبیب ہوسکتا ہے ہرگز نہیں بلکہ استاد سے پڑھنے کی ضرورت ہے پھر قرآن یا فقہ کا اردو ترجمہ آپ کو استاد سے کیونکر مستغنی کرسکتا ہے، میں تجربہ کی بناء پر سچ کہتا ہوں کہ محض ترجمہ کے مطالعہ سے آپ قرآن مجید یا فقہ کو ہرگز نہیں سمجھ سکتے یقیناً بہت جگہ ٹھوکریں کھائیں گے اور مطلب کچھ کا کچھ سمجھ جائیں گے اس لئے عربی میں نہ پڑھو تو اردو ہی میں پڑھو لیکن کسی عالم سے سقباً سبقاً پڑھو اپنے مطالعہ کو کافی نہ سمجھو۔

## بقدر ضرورت علم دین کا حاصل کرنا فرض ہے

مجھے پہلے بھی معلوم ہوا تھا اور اب مدرسہ کی رپورٹ دیکھ کر بھی معلوم ہوا کہ اس مدرسہ کا زیادہ تر مقصود یہ ہے کہ دیہات کے جو لوگ پوری تعلیم حاصل نہیں کر سکتے ان کو ضروریات دین یعنی قرآن اور نماز روزہ وغیرہ کے ضروری مسائل کی تعلیم دی جائے۔ سو یہ موقع بہت اچھا ہے اس کو غنیمت سمجھنا چاہیے اور یہ خوب سمجھ لو کہ پورا عالم بننا تو فرض کفایہ ہے فرض عین کی مقدار تو ضرور حاصل کر لینی چاہیے۔ آج کل لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ پس ہو تو پورا عالم ہو ورنہ جاہل ہی رہے، یہ بڑی غلطی ہے۔ جن لوگوں کو عالم بننے کے لئے فراغت نہ ہو وہ بیچ ہی کے راستہ پر رہیں کہ نہ عالم ہوں نہ جاہل بلکہ ضروریات دین کو حاصل کر کے اپنی دنیوی کاروبار میں لگیں اور اس کے لئے ایک سال کی ضرورت ہے زیادہ نہیں۔ ایک سال میں قرآن مجید کا ایک دو سپارہ پڑھ کر اردو میں مسائل کا علم بقدر ضرورت حاصل ہو سکتا ہے اور اتنی فرصت تو دیہات والوں کو بھی مل سکتی ہے اس لئے کہ کم از کم سال تو اپنے بچوں کو دینی علم کی ضرور تعلیم دینی چاہیے اور یہ مدت میں نے ان لوگوں کے لئے بیان کی ہے جو پورا قرآن پڑھانے کے لئے فراغت نہیں پاتے ورنہ ایک درجہ میں پورے قرآن کی بھی ضرورت ہے بلکہ حفظ کی بھی ضرورت ہے۔ اگر سب کے سب دو تین ہی سپارے پڑھا کریں تو پھر قرآن کی حفاظت کیونکر ہوگی اور سب ناظرہ ہی پڑھنے لگیں حفظ نہ کریں تو قرآن مسلمانوں کے پاس کیونکر رہے گا کیونکہ اس صورت میں اگر کوئی دشمن قرآن کے سب نسخے مسلمانوں سے چھین کر ضائع کردے تو مسلمان قرآن سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور اب کسی کی مجال نہیں کہ مسلمانوں سے قرآن چھین سکے، اگر مصاحف کو بھی کوئی ضائع کردے گا تو

مسلمانوں کے ہزاروں بچے اور لاکھوں جوان اور بوڑھے حافظ موجود ہیں وہ اپنی یاد سے قرآن کو پھر لکھ سکتے ہیں۔ مسلمانوں کی یہ خصوصیت جملہ اہل ادیان کے مقابلہ میں حفظ ہی کی برکت سے تو ہے۔

## حفظ قرآن کی فضیلت

پس جن کو حق تعالیٰ نے فراغت دی ہے وہ اپنے بچوں کو پورا قرآن پڑھائیں اور جن کے دو چار لڑکے ہوں وہ ان میں سے ایک کو حافظ بھی ضرور بنائیں۔ حفظ قرآن کی بڑی فضیلت ہے، قیامت میں حافظ کی شفاعت سے ایک بڑی جماعت کی بخشش ہوگی اور اس کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سے آفتاب بھی ماندہ ہوجائے گا۔ اس سے اندازہ کرلو کہ خود حافظ کی کیا کچھ قدرومنزلت ہوگی جب اس کے والدین کی یہ عزت ہوگی اس لئے اس دولت کو بھی ضرور حاصل کرنا چاہیے مگر جن کو فراغت نہ ہو وہ سارا نہ پڑھیں مگر کچھ تو ضرور پڑھ لیں کتنے شرم کی بات ہے کہ مسلمان اپنے مذہب کی کتاب سے بالکل ہی ناآشنا ہوں، افسوس آج کل تعلیم یافتہ طبقہ قرآن پڑھانے کو بالکل بیکار اور فضول سمجھتا ہے، چنانچہ رام پور میں ایک صاحب جنٹلمین نے اپنے دوست سے کہا کہ آپ بھی اپنے بچہ کو انگریزی سکول میں بھیجیں۔ انہوں نے کہا کہ نصف قرآن اس کا رہا ہے وہ ہوجاوے تو بھیجوں، انہوں نے پوچھا نصف قرآن کتنے روز میں ہوا ہے بولے دوسال میں تو آپ کیا کہتے ہیں کہ تم نے اپنے بچے کے دو سال تو ضائع کیے دوسال اور کیوں ضائع کرتے ہو۔ اس مدت میں یہ ایک دو درجہ تو تعلیم کا طے کرتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اس ظالم کو یہ خبر نہیں کہ اس قرآن پڑھنے والے لڑکے نے دو سال میں نہ معلوم جنت کے کتنے درجے طے کرلیے ہیں کیونکہ قیامت میں قرآن

پڑھنے والے کو حکم ہوگا کہ قرآن پڑھتے جاؤ اور چڑھتے چلے جاؤ جہاں تمہارا قرآن رک جائے وہیں تم رک جاؤ بس وہی تمہارا درجہ ہے مگر تعلیم یافتہ لوگوں کو تو سکول کے درجوں کی ضرورت ہے۔ جنت کے درجوں کی کیا ضرورت ہے اس لئے قرآن پڑھانے کو بیکار سمجھتے ہیں مگر ذرا ٹھہریں ابھی چند دن میں مرنے کے بعد بلکہ مرتے وقت ہی معلوم ہوجائے گا کہ سکول کے درجوں کی ضرورت تھی یا جنت کے درجوں کی۔

گوالیار کی حکایت سنی ہے کہ ایک صاحب نے اپنے لڑکے کو بچپن ہی سے انگریزی میں ڈال دیا تھا اور اس کی تعلیم پر بہت روپے خرچ کئے تھے لندن بھی پاس کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ وہاں سے آکر وہ بیمار ہوا اور مرنے لگا تو ابا جان اس کے سرہانے بیٹھ کر رونے لگے کہ ہائے بیٹا میں نے تو تیری تعلیم پر بیس پچیس ہزار روپے خرچ کئے تھے۔ میں نے اپنی محنت کا پھل بھی نہ دیکھا۔ لڑکے نے آنکھیں کھول دیں اور کہا ابا جان اب کیا روتے ہو جب مجھ کو آخرت میں جہنم میں جاتا ہوا دیکھو گے اس وقت روؤ گے کیونکہ آپ نے یہ بیس پچیس ہزار روپے خرچ کرکے مجھے جہنم میں پھینکنے کا انتظام کیا ہے تم نے اس رقم سے میرے واسطے دوزخ خریدی ہے کیونکہ تم نے مجھے دین کی تعلیم سے بالکل کورا رکھا اس وقت میں دیکھتا ہوں کہ میرا سارا لکھا پڑھا بیکار ہے، موت کے فرشتے آنے والے ہیں، تم نے اتنی بڑی رقم میرے اوپر خرچ کرکے میرے ساتھ دوستی نہیں کی بلکہ سراسر دشمنی کی ہے۔

## جنت کی ڈگری بھی حاصل کرو

صاحبو! اس لڑکے نے تو اپنی حسرت کو ظاہر کردیا اور امید ہے خدا کے فضل سے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ وہ اس حسرت کی بنا پر بخش دیا گیا ہوگا مگر جو لوگ حسرت بھی ظاہر نہیں کرسکتے وہ بھی مرنے کے وقت اور مرنے کے بعد اس پر ضرور

نادم ہوں گے کہ افسوس ہم نے ساری عمر اسکولوں کے درجے اور ڈگریاں حاصل کرنے میں گنوادی اور جنت کی ایک ڈگری بھی حاصل نہ کی۔

فسوف ترى اذا انكشف الغبار    افرس تحت رجلك ام حمار (۱)

ابھی ہوائے نفسانی کا غبار چڑھا ہوا ہے اس لئے آپ جتنا چاہیں دعویٰ کرلیں کہ ہم ترقی یافتہ ہیں ہم گھوڑے پر سوار ہیں ذرا غبار کو اترنے دو ابھی معلوم ہوجائے گا کہ تم گھوڑے پر سوار تھے یا لنگڑے گدھے پر۔ میں کہتا ہوں کہ جنٹلمینوں کو اگر جنت کی طلب کے لئے تعلیم قرآن کی ضرورت نہیں تو کم از کم قومی حمیت کے ہی لحاظ سے اس کو ضروری سمجھا ہوتا۔ یہ لوگ قومی حمیت کا تو بڑے زور سے دعویٰ کرتے ہیں اور رات دن اسی کا سبق رٹتے ہیں وہ ذرا بتلائیں تو کہ قومیت اسلامی کی بنیاد کیا ہے۔ یقیناً اگر مسلمان ہیں تو یہی کہیں گے کہ قومیت اسلامی کی بنیاد قرآن مجید ہی ہے پھر حیرت ہے کہ جس چیز کے وہ حامی اسی کی جڑیں اکھاڑتے ہیں۔

## وجود عالم کی محافظ حمایت

صاحب اگر تعلیم قرآن بیکار ہے تو وہ قومی حمیت ہی کیا کارآمد ہے جس کا آپ دعویٰ کرتے رہتے ہیں۔ بس وہ حال ہے ان لوگوں کا۔

یکے برسر شاخ و بن می برید

''ایک شخص شاخ کی جڑ پر بیٹھا ہوا شاخ کاٹ رہا تھا''

میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آپ کی اس بے اعتنائی سے قرآن مجید کا وجود دنیا سے ناپید ہوگیا تو ساتھ ساتھ اسلام اور مسلمانوں کا نام بھی مٹ

(۱) ''غبار جانے دو عنقریب دیکھ لوگے کہ تم گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر''۔

جائے گا۔اب تک جو اسلام کا نام دنیا میں روشن ہے وہ اس مبارک کتاب ہی کی بدولت ہے اور جس فرقہ کو آپ مسلمانوں میں سب سے زیادہ بیکار سمجھتے ہیں واللہ وہی اسلامی قومیت کا محافظ ہے تم ہو کس ہوا میں، خدا کی قسم اگر یہ قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے والے نہ رہے تو مسلمان دنیا کے طبقہ میں کہیں بھی نہ رہیں گے، ساری قومی حمیت ناک کے رستہ نکل جائے گی بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ یہ فرقہ جو تمہارے نزدیک بیکار ہے صرف قومیت اسلامی کا محافظ نہیں بلکہ وجود عالم کا محافظ ہے۔اگر یہ جماعت دنیا میں نہ رہے تو دنیا نہ رہے گی بلکہ سارا عالم برباد ہو کر قیامت آجائے گی اور یہ میں اپنے گھر سے نہیں کہتا بلکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

’’لا تقوم الساعة حتٰى يبقى فى الارض واحد يقول اللّٰه اللّٰه او نحوه‘‘(۱)

قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہنے والا ایک شخص بھی موجود رہے اور ظاہر ہے کہ اللہ اللہ کرنے والے یہی لوگ ہیں جن کو آپ بیکار سمجھتے ہیں اور دوسرے طبقوں میں بھی اگر کوئی خدا کا نام لینے والا ہے تو وہ بھی ان ہی کی برکت سے ان ہی کے تعلق سے ہے۔اب تو ان جنٹلمین صاحب کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ مسلمان کا بچہ دو سال قرآن پڑھ کر دنیا و آخرت کے کتنے درجے طے کرتا ہے۔ اسکول کا ایک درجہ طے کر کے تو وہ خاک بھی حاصل نہیں کرتا اور قرآن کی ایک سورت بلکہ ایک آیت پڑھ کر وہ اسلامی قومیت کا محافظ بلکہ تمام عالم کا محافظ بن جاتا ہے۔ یہ تو دنیا کا نفع ہے اور آخرت کا نفع تو سب جانتے ہیں پھر میں کہتا ہوں کہ آج کل جس علم کی وجہ سے لوگ تعلیم قرآن سے غفلت کر رہے ہیں زمانہ نے اس وقت اس کی قلعی کھول دی ہے۔ پہلے انگریزی تعلیم کی جس درجہ قدر

(۱) الصحیح لمسلم کتاب الایمان ب: ۶۶، رقم: ۲۳۴، کنز العمال: ۳۸۴۸۵)۔

تھی اب اس کی حقیقت معلوم ہوگئی۔ خدا اس محکمہ تخفیف کا بھلا کرے اس نے دکھلا دیا کہ بہت سے انگریزی پڑھنے والے جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں گو اس سے رنج بھی ہوتا ہے کہ ملازمت چھوٹنے سے بعض مسلمانوں کو تکلیف ہوئی اور ان پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا مگر اس کی خوشی ہے کہ جس کے نشہ میں وہ دین سے غافل ہو رہے تھے اس محکمہ نے وہ نشہ ان کے دماغوں سے اتار دیا اور ان کو معلوم ہوگیا کہ انگریزی تعلیم سے دین تو حاصل ہوا ہی نہ تھا، دنیا بھی سب کو حاصل نہیں ہوتی۔ ایک صاحب نے خوب کہا کہ علم دنیا تو جب تک مکمل نہ ہو کسی مصرف کا نہیں اور علم دین کا جو درجہ بھی حاصل ہو جائے وہ نافع ہے۔ آخرت کا تو نفع ہے ہی دنیا کا بھی نفع اگر کوئی حاصل کرنا چاہے وہ بھی حاصل کر سکتا ہے۔

## صرف مؤذن پکی پکائی روٹی کھا سکتا ہے

چنانچہ اگر کسی کو دین میں اور بھی کچھ حاصل نہ ہو صرف اذان ہی یاد کر لے جو سب سے ادنیٰ درجہ ہے علم دین کا تو وہ بھی اپنا پیٹ پال سکتا ہے دونوں وقت چین سے پکی پکائی روٹی کھا سکتا ہے۔ بخلاف انگریزی کے کہ اس میں انٹر سے کم تو بالکل بیکار ہے اور انٹر بھی آج کل زیادہ کار آمد نہیں کیونکہ انگریزی پڑھنے والے اس کثرت سے ہو گئے ہیں کہ ہر محکمہ میں بی اے اور ایم اے والوں کی درخواستیں پہلے سے رکھی رہتی ہیں۔ پھر اعلیٰ کے ہوتے ہوئے انٹر والوں کو کون پوچھتا ہے۔ بعض لوگ اپنی اولاد کو علم دین اس لئے نہیں پڑھاتے کہ مولوی غریب ہوتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم دین غریب ہی پڑھتے ہیں اگر امراء کے بچے علم دین پڑھنے لگیں تو مولوی امیر ہونے لگیں گے تو تم اس کا اہتمام کیوں نہیں کرتے پھر تم امیر ہی مولویوں سے وعظ کہلایا کرنا ان ہی سے مسائل

دریافت کیا کرنا، پھر غریب مولویوں کا تعلق صرف غریبوں ہی سے رہ جاوے گا۔ دوسرا امراء کی تعلیم سے یہ فائدہ ہوگا کہ چندہ کا کام بند ہوجاوے گا جو جڑ ہے ذلت کی۔ امیر مولویوں کو چندہ کی ضرورت ہی نہ ہوگی بلکہ اگر وہ چندہ کریں گے تب بھی وہ نظروں میں ذلیل نہ ہوں گے مگر ان شاء اللہ وہ اگر چندہ کریں گے تو ڈاکہ ہی ڈالیں گے لیکن وہ ڈاکہ ڈال کر بھی معزز رہیں گے۔ غریب مولوی تو چندہ چار روپے ہی پر قناعت کر لیتے ہیں اور وہ چار سو سے کم پر قناعت ہی نہ کریں گے مگر بلا سے ان کی عزت تو کم نہ ہوگی اور غریب مولویوں کے چندہ سے تو دین کی بڑی بے وقعتی ہورہی ہے عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارا دھندہ اپنے پیٹ کے واسطے کیا جارہا ہے اس لئے میری رائے ہے کہ علماء کو چندہ کا کام ہرگز نہ کرنا چاہیے بلکہ جو کام دین کا کرنا ہو اس کے لئے قوم کے معزز آدمیوں کو جمع کر کے یہ کہہ دیا جائے کہ صاحبو! دین کی حفاظت کے لئے اس کام کی ضرورت ہے۔ آپ بھی غور کرلیں کہ اس کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اگر وہ ضرورت کو تسلیم کرلیں تو ان سے کہا جائے کہ سب مل کر اس کا انتظام کریں۔ علماء اصل میں کام کریں اور معززین روپیہ کا انتظام کریں، غریب علماء ہی پر سارا بار کیوں ڈالا جاتا ہے کہ وہ کام بھی کریں اور روپیہ بھی جمع کریں اور اگر وہ یہ کہیں کہ یہ کام ضروری نہیں فضول ہے تو علماء کو چندہ کی ضرورت نہیں بس وہ کام بند کر کے اپنے گھر پر رہیں اور تجارت وزراعت یا کسی اور شغل میں لگیں اور فرصت کے وقت میں جتنا ہوسکے دین کا کام کرلیا کریں۔ اس صورت میں قیامت کے دن ان پر مواخذہ نہ ہوگا، یہ صاف کہہ دیں گے کہ ہم نے مسلمانوں کے سامنے دینی خدمت کی ضرورت ظاہر کردی تھی انہوں نے اس کو فضول بتلایا اور روپیہ کا انتظام نہ کیا اور ہمارے چندہ کرنے سے دین کی بے وقعتی

ہوتی تھی اس لئے ہم نے چندہ نہ کیا اور معاش کے لئے دوسرے کاموں میں لگ گئے اور اسی کے ساتھ جتنا ہم سے ہوسکا اس قدر دین کی خدمت بھی کرتے رہے اس کے بعد ان لوگوں کی گردنیں نیچی ہوں گی جو دین کی خدمت کو فضول بتلاتے تھے ذرا علماء اس طرح کرکے تو دیکھیں ان شاء اللہ تعالیٰ عوام سب سیدھے ہوجائیں گے اور خود چندہ کرکے روپے لالاکر دیا کریں گے۔ میں نے اوپر جہاں رپورٹ مدرسہ کے حوالے سے مدرسے کے مقصد کو ظاہر کیا تھا یہ کہہ رہا تھا کہ طبقہ امراء کو میں نصف قرآن یا ربع قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں دیتا ان کو تو پورا قرآن پڑھنا چاہیے پھر قرآن پڑھ کر دین کا عالم بننا چاہیے۔ ہاں جن کو ملازمت کی ضرورت ہو ان کو اتنی رخصت ہے کہ اگر وہ عربی زبان میں دین کو حاصل نہ کرسکیں تو کم ازکم اردو ہی میں پڑھ لیں کیونکہ ایسے لوگوں کو انگریزی کی بھی ضرورت ہے اور دیہات والے جو فراغت نہیں پاتے وہ کم ازکم ایک سال تو دین کے لئے خرچ کردیا کریں اتنی وسعت دینے کے بعد بھی اگر لوگ جاہل ہی رہیں تو اس وعید کے لئے تیار ہوجاویں جو اس آیت میں مذکور ہے۔

## جہل وضلالت موجب وعید ہے

اب میں عنوان آیت سے ایک بات پر متنبہ کرتا ہوں کہ وہ یہ کہ اس جگہ حق تعالیٰ نے اشتری کا لفظ اختیار فرمایا ہے جس کے معنی استبدال بالتراضی (رضامندی سے بدلنا) اس سے معلوم ہوا کہ رضا وخوشی سے جہل وضلالت کو اختیار کرنا یہ موجب وعید ہے اور افسوس ہے کہ آج کل یہی صورت ہورہی ہے کہ لوگ خوشی کے ساتھ علم دین سے اعتراض کررہے ہیں (۱) جس کی دلیل یہ ہے کہ اپنی اس

(۱) علم دین حاصل نہیں کررہے۔

غفلت پر کبھی ان کو افسوس نہیں ہوتا نہ علم سے محرومی پر حسرت ہوتی ہے بلکہ غضب یہ ہے کہ جو بیچارہ طالب اصلاح ہو اور اپنے بچوں کو علم دین پڑھانا چاہے اس پر چاروں طرف سے ملامت وطعن ہوتا ہے کہتے ہیں کیا اپنی اولاد کو ملّا بناؤ گے اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ ملا ہو کر یہ دنیا کے کام کا نہ رہے گا، دنیا سے نکما ہو جائے گا ہم اس الزام کو تسلیم کرتے ہیں اور جواب میں مولانا رومی کے التزام کو پیش کرتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

تابدانی ہر کرا یزداں بخواند  از ہمہ کار جہاں بیکار ماند(۱)

واقعی ملاٹے دنیا کے کاموں سے بیکار ہو جاتے ہیں مگر خبر بھی ہے کن کاموں سے بیکار ہوتے ہیں سب کاموں سے نہیں بلکہ ان کاموں سے جو خلاف شرع ہیں یا مباحات زائدہ ہیں۔ باقی جو کام شرع کے موافق ہیں اور ضرورت کے درجہ میں ہیں گو دنیا ہی کے ہوں ان میں وہ بہت چست ہوتے ہیں۔ چنانچہ اپنے اہل وعیال کی طرف سے کبھی بے فکر نہیں ہوتے بلکہ ان کے حقوق واجبہ کو دنیاداروں سے زیادہ ادا کرتے ہیں۔ البتہ طالب علم خاص زمانہ طالب علمی میں دنیا کے بعضے ضروری کاموں میں بھی سست ہوتے ہیں مگر اس کا راز یہ ہے کہ وہ ایک اہم کام میں مشغول ہیں اس کی طرف توجہ لگی ہوئی ہے اور نفس ایک وقت میں دو طرف متوجہ نہیں ہوسکتا آپ اس کو عیب سمجھتے ہیں کہ طالب علم کو کھانے کی فکر نہیں ہوتی بعض دفعہ مطالعہ کتاب میں اس کو بھوک کی خبر نہیں رہتی مگر میں انصاف سے پوچھتا ہوں کہ اگر آپ کا ایک کمیرا بالدی(۲) ہل جوتنے میں ایسا مشغول ہو جائے کہ اسے روٹی کی بھی خبر نہ رہے تو کیا آپ اس کو عیب سمجھیں گے یا اس کی تعریف کریں گے کہ بڑا نمک حلال نوکر ہے آقا کے کام کو ایسی محنت سے کرتا ہے کہ اپنی جان کی بھی

(۱) ''جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنا لیتے ہیں اس کو تمام دنیا کے کاروبار سے بیکار کر دیتے ہیں'' (۱) کسان کا چھوٹا نوکر۔

خبر نہیں رہتی۔ افسوس آپ کے کام میں کسی کو اپنی خبر نہ رہے وہ تو نمک حلال قابل تعریف ہوا اور خدا کے کام میں کوئی اپنے سے بے خبر ہو جائے تو وہ سست اور کاہل اور قابل ملامت ہے۔

## علماء کے وقت میں خیر و برکت

صاحبو! غور تو کیجئے کیا یہی انصاف ہے اور طلباء کی یہ سستی بھی صرف زمانہ طلب ہی تک رہتی ہے پھر فارغ ہو کر تو وہ ایسے چست ہو جاتے ہیں کہ ان کے برابر دنیادار کبھی بھی چست نہیں ہو سکتے وہ تھوڑی دیر میں اتنا کام کر لیتے ہیں کہ دنیا دار دو چار مل کر بھی اس سے زیادہ دیر میں وہ کام نہیں کر سکتے۔ آپ طلباء و علماء کے پاس رہ کر ان کی حالت دیکھیں کہ وہ تعلیم اور تعلم اور تصنیف و تالیف کا کام کتنی چستی سے کرتے ہیں اور اس سے فارغ ہو کر دنیا کے کام کس پھرتی سے انجام دیتے ہیں اور اہل و عیال کی کیسی خبر گیری کرتے ہیں اور اس میں راز یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کی امداد ہوتی ہے اس لئے تھوڑی دیر میں وہ بہت کام کر لیتے ہیں اس امداد پر ایک دیندار کا قصہ یاد آیا کہ وہ جمعہ کے دن اپنے کھیت میں پانی دے رہے تھے کہ جمعہ کی اذان ہو گئی۔ انہوں نے سوچا کہ پانی کا انتظام کرتا ہوں تو جمعہ ضائع ہو جاتا ہے اور جمعہ کو جاتا ہوں تو پانی کا کام رہ جاتا ہے۔ انہوں نے دین کو دنیا پر ترجیح دی اور کھیت کا کام چھوڑ کر جمعہ کو چلے گئے۔ جمعہ کے بعد جو آ کر دیکھا تو کھیت پانی سے بھرا ہوا تعجب ہوا، پڑوسی کہنے لگے کہ عجب بات ہے ہم اپنے کھیتوں میں پانی دیتے تھے اور ڈول ٹوٹ ٹوٹ کر وہ تمہارے کھیت میں پہنچ جاتا تھا تو کبھی حق تعالیٰ کی امداد کھلی آنکھوں نظر آ جاتی ہے اور باطنی امداد تو ہمیشہ ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ ان کے وقت میں برکت دے دیتے ہیں اس لئے یہ خیال نہ کرو کہ تمہارا لڑکا

علم سے فارغ ہوکر دنیا کے کام کا نہ رہے گا۔ بخدا اگر وہ دیندار ہوگیا تو اپنے مفید کاموں میں وہ دنیا داروں سے زیادہ چست ہوگا دوسرے وہ کم خرچ ہوگا، شان اور وضع اور فیشن کا پابند نہ ہوگا۔ تھوڑی آمدنی میں اپنا سارا خرچ چلائے گا اور انگریزی پڑھنے والی اولاد کو اعلیٰ ملازمت نہ ملی تو وہ ساری عمر باپ ماں ہی سے خرچ منگاتے رہیں گے۔ چنانچہ ایسے نظار موجود ہیں اب آپ کو چاہیے کہ اپنی اولاد کو اس مدرسہ میں بھیج دیں اور میں نے اس مدرسہ میں یہ بھی رائے دی ہے جو قبول کرلی گئی کہ ایک نصاب ایسا بنایا جائے جس میں اردو، فارسی میں لوگ دینیات حاصل کرسکیں اور میری رائے میں ہر مدرسہ کے اندر ایک ایسا نصاب ہونا چاہیے اور میں نے کئی جگہ یہ رائے ظاہر بھی کی لیکن اہل مدارس نے اس پر توجہ نہیں کی اگر اس مدرسہ میں اس پر عمل کیا گیا اور ان شاء اللہ امید ہے کہ کیا جائے گا تو یہ بات اس مدرسہ کی خصوصیت میں سے ہوگی۔ ایک خصوصیت اس مدرسہ کی اسی جلسہ میں یہ معلوم ہوئی کہ اس مرتبہ جو جلسہ کی وجہ سے مہمانوں کا مجمع ہوا ہے ان کی دعوت وغیرہ کے لئے اور اسی طرح جلسہ کے جملہ اخراجات کے لئے خاص احباب سے چندہ کیا گیا ہے عام چندوں کی رقم میں سے جلسہ کے مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا گیا یہ بات بڑی خوشی کی ہے میری ہمیشہ سے یہی رائے ہے کہ اول تو مہمانوں کو مدرسہ کی طرف سے کھانا کھلانے کی ضرورت نہیں یہ کسی کے بیٹے کی تقریب تھوڑا ہی ہے جو آنے والوں کو کھانا دیا جائے یہ ایک قومی اور دینی کام ہے جو آئے اس کو اپنے پاس سے خرچ کرکے بازار میں کھانا چاہیے جیسے عام قومی جلسوں میں کھانے پینے کا خرچ ہر شخص خود برداشت کرتا ہے اور اگر یہ نہ ہو اور مہمانوں کو کھانا کھلایا ہی جاوے تو اس کے لئے خاص چندہ کرنا چاہیے جس میں سب شریک ہونے والوں کو اس بات کی

صریحاً اطلاع ہو کہ یہ رقم مہمانوں کے کھانے وغیرہ میں صرف ہوگی۔ عام چندہ سے یہ اخراجات نہ کرنے چاہئیں کیونکہ عام چندہ دینے والے زیادہ تر یہ سمجھ کر مدارس میں چندہ دیتے ہیں کہ ہماری رقم تعلیمی کام میں صرف ہوگی اس سے طلبہ کو کھانا کپڑا دیا جائے گا وغیرہ وغیرہ اور اسی کو زیادہ ثواب سمجھتے ہیں اور اگر ان کو یہ معلوم ہوجائے کہ اس سے جلسہ کے مہمانوں کو کھانا کھلایا جائے گا جن میں بہت سے امراء خوش حال بھی ہوتے ہیں تو شاید بعض لوگ اس اطلاع کے بعد چندہ نہ دیتے اس لئے میرے نزدیک عام رقوم چندہ سے جلسہ کے اخراجات میں صرف کرنا شبہ سے خالی نہیں اور شبہ بھی قوی پس یا تو اس کے لئے خاص چندہ کیا جایا کرے یا کم از کم جلسہ میں جب چندہ جمع کیا جائے اسی وقت اعلان کردیا جائے کہ اس جلسہ کا خرچ اس چندہ سے نکالا جائے گا جو صاحب اس میں متفق نہ ہو اس وقت ظاہر فرمادیں تاکہ ان کا چندہ علیحدہ رکھا جاوے۔ اس طرح بھی شبہ سے بچاؤ ہوسکتا ہے مگر اہل مدارس اتنی سہل صورت سے بھی تساہل کرتے ہیں مگر جائے خوشی ہے کہ اس مدرسہ میں اس کا لحاظ کیا گیا مجھے ایک بڑی خوشی اس مرتبہ یہ ہوئی کہ بعض دفعہ مدرسہ کی طرف سے چندہ کے لئے جو سفیر بھیجا جاتا ہے تو اس کے متعلق میں نے ایک رائے دی اور وہ بھی مان لی گئی اور وہ رائے یہ ہے کہ سفیر اگر عالم نہ ہو تو اس کو وعظ گوئی سے منع کردیا جائے۔ محض ترغیب چندہ کا محدود الفاظ سے مضائقہ نہیں۔

## غیر عالم کے وعظ میں مفاسد

مگر غیر عالم وعظ کبھی نہ کہے اس میں چند مفاسد ہیں ایک تو یہ کہ اس میں حدیث کی مخالفت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا امر ہے کہ ہر کام اس کے اہل کے سپرد کرنا چاہیے اور آپ فرماتے ہیں: ''اذا وسد الا مر الی غیر اهله

فانتظر الساعة''(١) کہ جب کام نااہلوں کے سپرد کئے جانے لگیں تو قیامت کے منتظر رہو۔ گویا نااہل کو کوئی کام سپرد کرنا اتنی سخت بات ہے کہ اس کا ظہور قیامت کی علامات سے ہے اور یہ امر مصرح وثابت ہے کہ جو فعل اختیاری علامات قیامت سے ہوں وہ معصیت اور مذموم ہے اور ظاہر ہے کہ غیر عالم وعظ گوئی کا اہل نہیں یہ منصب صرف علماء کاملین کا ہے اس لئے غیر عالم کو اس کی اجازت ہرگز نہ دی جائے۔ دوسری خرابی اس میں یہ ہے کہ بعض دفعہ جاہل کو کسی مسئلہ میں بوجہ ناواقفیت کے ایسی غلطی پیش آتی ہے کہ اسے خبر بھی نہیں ہوتی گو بعضے بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ وہ اپنی علمی حیثیت ہی کے موافق اختیار کر سکتے ہیں اس سے زیادہ نہیں کر سکتے اور جب پورا علم نہیں تو غلطی کا احتمال رہے گا۔ علاوہ ازیں جب یہ شخص وعظ کہے گا تو لوگ عالم سمجھ کر اس سے ہر قسم کے مسائل بھی پوچھیں گے۔ پھر آج کل ایسے نفس کہاں ہیں جو صاف کہہ دیں کہ ہم جاہل ہیں ہم کو مسائل معلوم نہیں، ضرور کچھ گڑھ مڑھ کر جواب دیں گے اور اکثر وہ غلط ہوگا اور اگر گول مول جواب دیا اور اس طرح غلط جواب سے اپنے کو بچالیا تو ممکن ہے کہ عوام اس سے کسی غلطی میں پڑ جاویں۔ بعض دفعہ جاہل ایسے ہوشیار ہوتے ہیں کہ جو مسئلہ ان کو معلوم نہیں ہوتا اس کا ایسا جواب دیتے ہیں جس سے نہ جواب معلوم ہو نہ جہل ظاہر ہو۔ گنگوہ میں ایک جاہل فتویٰ دیا کرتا تھا۔ مولانا گنگوہی نے اپنی نوعمری میں اس سے امتحاناً سوال کیا کہ حالت حمل میں بے شوہر عورت سے نکاح کرنا کیسا ہے، کہا ایسا ہے جیسے گھیرا دینا۔ اس گول مول جواب سے نہ اس کا جہل ظاہر ہوا نہ جواز کا فتویٰ ہوا۔ مگر ایسے جوابات سے عوام کیا سمجھیں گے۔ یقیناً غلطی میں پڑیں گے شاید

(١) الصحیح للبخاری: ١:٢٣، کنز العمال: ٣٨٤٢٢۔

کوئی جاہل واعظ یہ کہے کہ ہم کتابیں دیکھ دیکھ کر فتویٰ دیا کریں گے اور آج کل اردو میں بھی مسائل کا ذخیرہ موجود ہے تو میں کہتا ہوں کہ بعض مسائل کا تعلق دو باب سے ہوتا ہے۔ ایک باب تو اطلاق ہوتا ہے اور دوسرے باب میں اس کا مقید ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ قیود و شرائط بعض دفعہ ایسے ہوتی ہیں جن پر جاہل تو جاہل ناقص عالم کی نظر بھی نہیں پہنچتی۔ بعض دفعہ ناتمام علم سے لوگوں کو تنگی میں ڈالے گا اور جب وہ تنگی کی برداشت نہیں کر سکیں گے تو شرع کو بدنام کریں گے۔ مثلاً شریعت کا حکم ہے کہ اتحاد جنسین (۱) کے ساتھ تفاضل ناجائز ہے۔ مثلاً چاندی کے بدلے چاندی یا سونے کے بدلے سونا خریدا جائے تو مساوات ضروری ہے تفاضل (کمی بیشی) حرام ہے اب جاہل تو اس مسئلہ کو دیکھ کر اسی طرح بیان کردے گا اور ممکن ہے کہ ایک وقت میں چاندی کا بھاؤ روپے کے برابر نہ ہو بلکہ چاندی دس آنے تولہ ہو جو ایک روپیہ کے مقابلہ میں روپیہ کے وزن سے زیادہ آجائے گی اور ان حضرت کو صرف اتنا ہی مسئلہ معلوم ہے کہ اتحاد جنس کے وقت تفاضل حرام ہے تو یہ حضرت یا تو خود روپے کے برابر ہی لائیں پھر گھر والے ان کو بیوقوف بنائیں گے اور یا دوسروں کو اس پر مجبور کریں گے تو دونوں صورت میں شریعت کو بدنام کریں گے کہ یہ اچھا مسئلہ ہے کہ ایک چیز روپے میں روپے سے زیادہ آسکتی ہے مگر شریعت کہتی ہے کہ نہیں برابر ہی لو زائد مت لو۔ تو یہ خرابی جہل کی وجہ سے ہوئی محقق اگر اس مسئلہ کو بیان کرے گا تو ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ دے گا کہ اگر چاندی ایک روپیہ کے بدلہ میں اس سے زیادہ آتی ہو تو اس وقت روپے سے چاندی نہ خریدو بلکہ روپے کو بھنا کر کچھ دونیاں جونیاں اور ان کے ساتھ کچھ پیسے ملا کر خریدو اب جائز ہے کہ ایک روپے کے بدلے میں تولہ بھر سے زیادہ چاندی لے آؤ کیونکہ ریزگاری میں جتنی

(۱) یعنی جب گندم کو گندم کے بدلے بیچو تو کمی بیشی جائز نہیں۔

مقدار چاندی ہوگی اس کے مقابلہ میں تو اس کے برابر چاندی آجائے گی باقی چاندی پیسوں کے مقابلہ میں ہوجاوے گی اور پیسہ اور چاندی میں جنس بدل گئی اس میں کمی بیشی جائز ہے بعض جاہل کہہ دیتے ہیں کہ یہ بات ہی کیا ہوئی روپیہ دینا اور روپیہ کی ریزگاری دینا ایک ہی بات ہے پھر اس کی کیا وجہ کہ روپے کے بدلہ میں تو تولہ بھر سے زیادہ چاندی نہ لے سکیں اور ریزگاری کے بدلہ میں زیادہ لے سکیں میں کہتا ہوں کہ یہ ضابطہ کی بات ہے کہ شریعت نے اس کو ناجائز کیا ہے اور اس کو جائز کیا ہے اس میں ایسے سوالات کا حق نہیں شریعت کا مقصود یہ ہے کہ تم کو نقصان نہ ہو اور احکام کے پابند بھی رہو۔ اس طرح سے کہ جو کام کرو شریعت سے پوچھ کر کرو تاکہ تم معاملات میں آزاد اور مطلق العنان نہ رہو کہ جس طرح چاہا کرلیا بلکہ حکم کے پابند ہوکر کام کرو کیونکہ جو ضروری کام تم آزادی کے ساتھ کرنا چاہتے ہو پابندی شریعت کے ساتھ بھی وہ کام نکل سکتا ہے۔ پھر خواہ مخواہ گناہ میں مبتلا ہونا کونسی عقلمندی ہے۔ یہ تو مثال تھی تنگی میں ڈالنے نہ ڈالنے کی۔

## اختیاری کہنے سے کس صورت میں طلاق واقع ہوتی ہے

اب مسئلہ کے اطلاق وتقیید کی مثال سنئے۔ مثلاً طلاق کے باب الکنایات میں فقہا نے لفظ اختاری کو کنایات طلاق میں بیان کیا ہے اور اس کا حکم یہ بیان کیا ہے کہ اس سے وقوع طلاق نیت کے بعد ہوتا ہے تو اس سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ اختیاری میں بھی صرف نیت سے وقوع طلاق کا ہوجاوے گا لیکن اسی اختاری سے وقوع طلاق کی ایک اور شرط بھی ہے جو باب التفویض میں مذکور ہے وہ یہ کہ اختاری میں نیت کے ساتھ وقوع نہیں ہوتا بلکہ عورت جب اسی مجلس میں طلاق کو اختیار کرلے اس وقت وقوع ہوتا ہے اور اختیاری منکوحہ کی شرط فقہاء نے باب

الکنایات میں نہیں بیان کی بلکہ یہ شرط باب التفویض میں لکھی ہے پس اب اگر کوئی اختاری کو صرف باب الکنایات میں دیکھ کر حکم بیان کرلے گا وہ ضرور غلطی کرے گا اور نیت زوج کے بعد فوراً وقوع کا فتویٰ دے دے گا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور اس میں بعض علماء تک بھی غلطی کر چکے ہیں۔ چنانچہ علامہ شامی نے ایک فقیہ کی غلطی نکالی ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں ایک غلط فتویٰ دیا ہے۔ نیز بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ ایک کتاب میں مطلق ہے دوسری کتاب میں مقید ہے اس لئے مسائل مہمہ میں مفتی کو لازم ہے کہ صرف ایک کتاب میں دیکھ کر فتویٰ نہ دے بلکہ مختلف کتابوں میں دیکھ کر جواب دے۔

## فقہ کا فن بہت دقیق ہے

غرض فقہ کا فن بہت دقیق ہے اسی لئے میں فقہ حنفی کے سوا کسی دوسرے مذہب کی فقہی کتاب طلباء کو پڑھانے کی جرأت نہیں کرتا۔ کان پور میں ایک طالب علم نے جو شافعی المذہب تھے مجھ سے اپنے مذہب کی کوئی فقہی کتاب پڑھنا چاہی میں نے عذر کردیا، مجھے یہ اختاری کا مسئلہ اس وقت یاد آگیا میں نے ان سے یہی عذر کیا کہ بعض دفعہ ایک مسئلہ ایک مقام پر مطلق ہوتا ہے اور دوسرے مقام سے یا دوسری کتاب سے اس میں کچھ قید معلوم ہوتی ہے جیسے ہمارے یہاں مسئلہ اختاری اس کی نظیر ہے تو ممکن ہے کہ آپ کے فقہ میں بھی کوئی ایسا مسئلہ ہو جس میں دوسری جگہ کوئی قید مذکور ہو اور مجھے اس کی خبر نہ ہو تو ممکن ہے کہ میں آپ کو اطلاق کے ساتھ مسئلہ سمجھادوں اور آپ بھی اس کو مطلق سمجھ کر ساری عمر غلطی میں مبتلا رہیں اس لئے میں آپ کے مذہب کی کتاب نہیں پڑھا سکتا اپنے مذہب کی کتابوں پر تو تھوڑی بہت نظر ہے اس کا ذخیرہ بھی اپنے پاس موجود ہے۔ دوسرے مذہب پر نہ

اتنی نظر ہے نہ کتابوں کا زیادہ ذخیرہ اس میں غلطی ہو جانا کچھ بعید نہیں۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ تم رام پور جا کر مولوی طیب صاحب عرب سے فقہ شافعی پڑھ لو وہ شافعی المذہب ہیں ان کی نظر اپنے مذہب پر زیادہ ہے وہ اچھی پڑھائیں گے۔ علماء حنفیہ فقہ شافعی کو صحیح طور پر نہیں پڑھا سکتے جیسے علماء شافعیہ فقہ حنفیہ کو اچھی طرح نہیں پڑھا سکتے ہر مذہب والا دوسرے مذہب کے مسائل میں ضرور غلطیاں کرے گا۔ چنانچہ ہدایہ میں بعض مسائل کی نسبت دوسرے امام کی طرف غلط کر دی گئی اسی طرح شافعیہ کی کتابوں میں حنفیہ کی طرف بعض مسائل غلط منسوب کیے گئے۔ یہ بھی ایک وجہ ہے ہندوستان میں تقلید مذہب حنفی کے وجوب کی کہ یہاں رہ کر کسی دوسرے مذہب پر صحیح عمل نہیں ہو سکتا کیونکہ ہندوستان کے علماء اکثر حنفی ہیں اور یہاں کتابیں بھی فقہ حنفی کی زیادہ ملتی ہے اساتذہ بھی اسی فقہ کے میسر ہو سکتے ہیں۔ دوسرے فقہ کی نہ زیادہ کتابیں یہاں موجود ہیں نہ ان کے پڑھانے والے میسر آ سکتے ہیں تو پھر عمل کی کیا صورت ہو۔

## تلعب بالمذہب حرام ہے

ہمارے ایک مہربان مکہ مکرمہ جا کر شافعی بن آئے ہیں یہ تو کوئی ملامت وطعن کی بات نہیں تھی اگر تحقیق کے ساتھ دوسرے مذہب کو اختیار کیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں، مذاہب اربعہ سب حق ہیں۔ ہاں تلعب بالمذاہب البتہ (۱) حرام ہے کہ اس کو کھیل بنا لیا جائے آج حنفی ہو گئے کل شافعی بن کر کیونکر رہ سکتے ہیں۔ یہاں رہ کر امام شافعی کے مذہب پر تمام مسائل میں وہ صحیح عمل کیونکر کریں۔ اس کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو وہ خود عالم ہوتے اور فقہ شافعی کو کسی فقیہ شافعی سے حاصل کیا ہوتا

(۱) مذہب کو کھیل بنانا حرام ہے۔

سوان میں یہ وصف موجود نہیں یا ہندوستان کے علماء سے پوچھ پوچھ کر عمل کریں گے سو میں بتلا چکا کہ ہندی علماء مذہب شافعی کے مسائل کو صحیح طور پر نہیں بتلا سکتے۔ اب یہاں امام شافعی کے فقہ پر عمل کیونکر ہوگا۔ بس اس کی تیسری صورت یہ ہے کہ وہ مکہ مکرمہ ہی جا کر رہیں اور جہاں سے وہ شافعی بن کر آئے ہیں وہیں رہ کر اس پر عمل کریں وہاں اس مذہب کے مشائخ وعلماء واساتذہ بہت موجود ہیں جب وہ ملیں گے تب یہ بات ان سے کہوں گا (مذاہب کو کھیل بنانا) ابھی تو انہوں نے دوسرے گذشتہ واقعات سے معافی چاہی ہے میں نے لکھ دیا ہے کہ سب معاف ہے۔

کفر ست در طریقت ما کینہ داشتن　　　آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن (۲)

## نااہل کو وعظ کہنے کی اجازت نہیں دینا چاہیے

الحمدللہ میرے دل میں کسی کی طرف سے کینہ کبھی نہیں ہوتا ہاں دوستانہ شکایت کبھی پیدا ہوجاتی ہے وہ بھی قائم نہیں رہتی جلدی زائل ہوجاتی ہے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ایسے مسائل میں جو ایک جگہ مطلق ہوں دوسری جگہ مقید ہوں جاہل واعظ ضرور غلطی کرے گا اور اس کے امتحان کی آسان صورت یہ ہے کسی جاہل کے وعظ میں ایک عالم کو دو چار دفعہ پردہ میں بٹھلاؤ، دو چار دفعہ کی اس لیے ضرورت ہے کہ ایک دفعہ تو غلطی سے محفوظ جانا ممکن ہے مگر ہمیشہ محفوظ رہنا جاہل سے دشوار ہے دو چار دفعہ کے بعد ان عالم صاحب سے پوچھ لینا کہ اس نے کتنی غلطیاں کی ہیں ان شاء اللہ حقیقت معلوم ہوجائے گی۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ یہ کام نااہل کو نہ دینا چاہیے۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ عالم سے غلطی نہیں ہوتی عالم بھی بشر ہے اس

(۲) ''ہماری طریقت میں کینہ رکھنا کفر ہے ہمارا آئین سینہ کو آئینہ کی طرح رکھتا ہے''۔

سے بھی غلطی ہوسکتی ہے مگر وہ خفیف (۱) اور قلیل غلطی کرے گا شدید اور بکثرت غلطی نہ کرے گا۔ یعنی اس کے بیان مین شاذ و نادر کبھی سو بار میں ایک غلطی ہوگی اور جاہل کے وعظ میں کثرت سے غلطیاں ہوگی۔ پھر عالم کو دوسرے وقت اپنی غلطی پر تنبہ ہوسکتا ہے اور دوسرے بیان میں اس کی اصلاح بھی کرسکتا ہے اور جاہل کو تنبہ بھی نہیں ہوتا کہ میں نے کیا غلطی کی ہے اس لئے یہ اس سے اشد ہے۔ خوب سمجھ لو صاحب آپ کو تجربہ نہیں اور مجھے تجربہ ہے جس کی بناء پر میں کہتا ہوں کہ نااہل کو وعظ کی اجازت نہ دینا چاہیے، واللہ جہل کی وجہ بڑی خرابیاں ہورہی ہیں۔ کان پور میں ایک شخص نے ایک ایسے بکرے کی قربانی کی جس کا کوئی عضو عیب سے خالی نہ تھا، لوگوں نے اس سے کہا کہ اس کی قربانی جائز نہیں تو وہ کہتا ہے وہ ہماری بی بی صاحبہ نے فتویٰ دیا ہے کہ اس کی قربانی جائز ہے۔ پھر اس نے بیوی سے جا کر کہا کہ لوگ تمہارے فتویٰ میں غلطی نکالتے ہیں۔ اس نے شرح وقایہ کا اردو ترجمہ پڑھا تھا اس میں مسئلہ کا موقع نکال کر باہر بھیج دیا کہ دیکھو اس میں لکھا ہے کہ تہائی عضو سے کم کٹا ہوا ہو تو قربانی جائز ہے اور اس بکرے کا کوئی عضو تہائی سے زائد نہیں کٹا بلکہ کم ہی ہے کہ مجموعہ مل کر بہت زیادہ تھا، کچھ ٹھکانا ہے اس نامعقول حرکت کا کہ ایک عورت بھی شرح وقایہ کا ترجمہ پڑھ کر مفتی بن گئی۔ اب میں مکرر خلاصہ مقام کا عرض کرتا ہوں کہ آیت کا حاصل مدلول یہ ہوا کہ تحصیل علم کی بھی سخت ضرورت ہے اور عمل کی بھی۔

## سخت وعید

اس کے بعد حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ﴾

(۱) ہلکی اور کم غلطی کرے گا۔

''پس دوزخ کے عذاب'' یہ سخت وعید ہے جس میں حق تعالیٰ صیغہ تعجب سے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو ہدایت ومغفرت کو اور بعنوان دیگر علم وعمل کو چھوڑ کر ضلالت ومعصیت میں مبتلا ہیں جہنم میں جانے کے لئے کیسے دلیر اور کیسے بے باک ہیں۔ لفظ اصبر کے اختیار کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ وعید صبر وثبات علی المعصیۃ (۱) پر ہے یعنی گناہوں پر اصرار کرنا اور ان پر جما رہنا سبب وعید ہے ورنہ ایک بار گناہ کر کے پھر نادم ہو کر اس پر ثبات نہ کرنا اس وعید کا محل نہیں بلکہ توبہ کر لینے سے آئندہ وماضی دونوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ سبحان اللہ حق تعالیٰ کے کلام میں کیسی بلاغت اور کتنی رعایت ہے کہ لفظ لفظ سے علم عظیم پیدا ہوتا ہے۔ بس اب میں ختم کرتا ہوں وقت بہت ہو گیا بارہ بج چکے ہیں اتنی دیر بیان کا قصد نہ تھا میں نے اس وقت علم وعمل کی ضرورت پر بقدر ضرورت کافی تقریر کر دی ہے اور چندہ خاص کی کوئی ترغیب نہیں دی ہاں چندہ کے اصول بیان کر دیئے ہیں اور علماء کو چندہ خاص کی ترغیب سے منع کیا ہے۔ البتہ کام کرنے کی صورت بتلا دی ہے کہ جو کام کریں اس کی ضرورت کو مسلمانوں پر ظاہر کر دیں۔ اگر وہ ضرورت کو تسلیم کر لیں تو ان سے کہا جائے کہ اس کا انتظام کریں پھر چندہ وغیرہ وہ لوگ خود کریں گے علماء کو اس کی ضرورت نہیں اور ضرورت نہ سمجھیں تو کام کو بند کر دیں۔

## مہتمم مدرسہ کی رپورٹ

اب مہتمم صاحب مدرسہ کچھ رپورٹ مدرسہ کی طرف سے سنائیں گے اس کو سننا چاہیے منتشر نہ ہونا چاہیے۔ اکثر عادت ہے کہ لوگ وعظ کے بعد منتشر ہو جاتے ہیں۔ یہ اچھا طریقہ نہیں جس جلسہ میں آپ مدعو ہیں اس کی کارروائی پوری

(۱) یہ وعید گناہ پر جمے رہنے کی وجہ سے ہے۔

ہونے کے بعد جانا چاہیے۔ لہذا سب صاحب مدرسہ کی رپورٹ سنیں اور اگر مدرسہ کے قائم رہنے کی ضرورت سمجھ میں آجائے تو اس میں کوشش سے امداد کریں اور اگر اس کو فضول سمجھیں تو یہی ظاہر کر دیں تاکہ اس کے موافق عمل کیا جائے۔

والحمد للّٰہ رب العالمین وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی اٰلہ واصحابہ اجمعین۔ (۱)

---

(۱) اللہ تعالیٰ تمام پڑھنے والوں کو علم وعمل کی توفیق عطا فرمائیں اور مدارس دینیہ کے بقاء وحفاظت اور قیام کی توفیق عطا فرمائیں آج کل مدارس کو ختم کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں اللہ تعالیٰ ان مدارس کی حفاظت فرمائیں جو مسلمانوں کے دین کے بقاء کا ذریعہ ہیں۔

خلیل احمد تھانوی

۱۳ شعبان المعظم ۱۴۳۷ھ